

نواقض اسلام

﴿وہ باتیں جو آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہیں﴾

(حامد کمال الدین)

چونکہ بھائیو اسلام کوئی نسلی مذہب نہیں بلکہ ایک اصولی ضابطہ ہے، لہذا اسلام کے دروازے ہر ایک پر ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ کوئی جب چاہے اس میں داخل ہو اور خدا کی ابدی رحمت کا مستحق۔ اس پر کسی قوم یا کسی نسل کا ہرگز کوئی اجارہ نہیں۔ بس اس کی کچھ شرطیں آپ پوری کر دیجئے آپ داخل اسلام ہوئے۔ یہاں اب آپ کو وہی حقوق حاصل ہیں جو صدیوں سے کسی مسلمان کو حاصل رہے ہیں۔

یہ اسلام کا عدل بھی ہے کہ اس کے دروازے سب کیلئے مساویانہ طور پر کھلے ہوں اور یہی اسلام کے عالمگیر ہونے کی دلیل بھی ہے۔ ان دونوں باتوں کا تقاضا ہے کہ اس کی رکنیت اگر کسی کو ملے تو کسی خاص وصف merit کی بنیاد پر ملے اور اگر یہ رکنیت کسی سے چھنے تو بھی کسی خاص وصف کی بنیاد پر چھنے۔ اس کی رکنیت کیا ہے؟ خدا کی ابدی رحمت کا استحقاق۔ اربوں کھربوں سال کا آرام۔ انبیاء کی معیت۔ صالحین کی رفاقت۔ ایسا استحقاق بھلا محض کسی نسلی یا آبائی بنیاد پر کیونکر ہو سکتا ہے؟ خود عقل کا تقاضا ہے کہ اس کا کوئی اصول اور ضابطہ ہونا چاہیے۔ اس کائنات کا فرماں رواں سب سے بڑھ کر انصاف پسند ہے اور سب سے بڑھ کر حکمت اور دانائی کا مالک۔

اسلام کی اس صفت کو جان لینا بھائیو بے انتہا ضروری ہے۔ خدا ہمیں آگ کی سختی سے بچائے ایک طرف تو ہم کہیں کہ اسلام کے بغیر آدمی لاکھوں کروڑوں سال آگ میں جلے گا۔ دوسری طرف ہمارا یہ خیال ہو کہ اسلام میں آنے اور مسلمان رہنے کیلئے کوئی قاعدہ قانون ہی نہیں؟ عقل کا تقاضا ہے کہ خدا کی رحمت ایسی انمول چیز ہو تو سب کیلئے مگر ہو کسی اصول اور وصف merit کی بنیاد پر ہو۔ جو اس کو پائے وہ کسی معقول بنیاد پر پائے اور اگر کوئی اس سے خالی رہے تو اس کی بھی کوئی باقاعدہ بنیاد ہو۔

اب جہاں تک اس نعمت کو پانے کا تعلق ہے تو اس کا اصول یہ ہے کہ **آدَى لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کی صورت میں

اپنی زندگی کیلئے ایک لائحہ عمل اختیار کرے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی شرط پوری ہو جائیں تو یہ لائحہ عمل خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔

پھر اس لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو شرط کے ساتھ ادا کرنے کے بعد آدمی کو زندگی کے جتنے دن نصیب ہونا ہوں اس کلمہ کا کم از کم اثر اس کی اس باقی ماندہ زندگی میں نظر آنے ضروری ہے۔ اب یہ جس چیز کو ہم نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اثر کہا ہے اور جو کہ ایک کلمہ گوئی زندگی میں کم از کم حد تک نظر آنے لازمی ہے۔ گویا زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ اسی کو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے تقاضے بھی کہا جاتا ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے تقاضے وہ امور ہیں جن کا یہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اپنے قبول کرنے والے سے اس کی روزمرہ زندگی میں مطالبہ کرتا ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے تقاضے ایک طویل موضوع ہے۔ خدا نے چاہا تو اس پر کبھی الگ سے بات کریں گے۔

بہر حال یہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے تقاضے اسی وقت زیر بحث آتے ہیں جب ایک بار آدمی کا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنا بجائے خود معتبر ہو۔ اس سے پہلے اگر وہ اسلام کا کوئی عمل کرتا بھی ہے تو وہ قبول نہیں۔ کیونکہ خدا کو اسلام کا کوئی عمل فی نفسہ مطلوب نہیں بلکہ اسلام کا کوئی عمل خدا کو مطلوب ہے تو وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے تقاضے کے طور پر ہی مطلوب ہے۔ یہ ایک شرف اور فضیلت ہے جو خدا نے اس کلمہ کو دے رکھی ہے۔ اسی وجہ سے ہمارا اعتقاد ہے کہ اسلام کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا فرض تو حید ہے۔

چنانچہ اسلام کے جملہ اعمال اور فرائض جو کہ دراصل لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے تقاضا جات ہیں۔ اسی وقت اور اسی وقت تک معتبر ہیں جب اور جب تک آدمی کا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنا معتبر ہے۔ کوئی عمل اس سے پہلے معتبر ہے اور نہ اس کے بغیر۔



اب یہاں سوال ایک نہیں دو ہو جاتے ہیں: آدمی کا داخل اسلام ہونا کس وقت سے معتبر ہوتا ہے؟ اور یہ کس وقت تک معتبر رہتا ہے؟ یعنی شرط صرف یہ نہیں کہ آدمی ایک بار کلمہ گو ہو جائے اور پھر جو مرضی کرتا رہے بلکہ شرط یہ ہے کہ آدمی کی یہ صفت تادم زندگی باقی بھی رہے اور اس سے کسی وقت جدا نہ ہونے پائے۔ سو اس کے کلمہ گو ہونے کا اعتبار اگر کسی وقت ساقط ہو جائے تو اس کا معاملہ وہیں آ رہتا ہے جہاں ہم نے اس کو کلمہ پڑھنے کیلئے کہا تھا۔

ان میں سے پہلے سوال کا جواب ہم شرط لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں دے آئے ہیں: آدمی کے مسلمان یا کلمہ گو

ہونے کا اعتبار اس وقت سے ہوگا جب وہ شروط کو پورا کرتے ہوئے کلمہ کا اقرار کرے گا۔

دوسرا سوال اب یہاں آ رہا ہے: آدمی کے کلمہ گو ہونے کا اعتبار کب تک رہتا ہے؟ جب تک وہ کوئی ایسا اعتقاد یا عمل یا رویہ اختیار نہ کر لے جو اس کو اسلام سے خارج کر دینے والا ہو۔ اسلام سے خارج کر دینے والے امور کو نواقض اسلام کہا جاتا ہے۔

چنانچہ ضروری ہے کہ آدمی کو نواقض اسلام بھی معلوم ہوں۔ کچھ بھی ہو جائے ایسی بات کے تو آدمی قریب تک نہ جائے جس سے اس کا کلمہ ہی ضائع ہو جائے اور یوں اس پر سے خدا کی رحمت کا سایہ اٹھ جائے اور پھر وہ جتنے بھی اعمال کرے سب کے سب مقبولیت سے محروم رہیں۔

لازم ہے کہ انسان کو اسلام میں داخل ہونے کا دروازہ بھی معلوم ہو اور پھر وہ اس سے خارج ہونے کی راہوں سے بھی خبردار اور چوکنا رہے۔ پہلی بات یعنی اسلام میں داخلہ ہم شروط لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں پڑھ آئے۔ دوسری بات یعنی کن باتوں سے آدمی دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اب نواقض اسلام میں پڑھیں گے۔



شروط لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور نواقض لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی مثال کچھ اس طرح سمجھیے جیسے نماز کی شروط اور نواقض کا

معاملہ ہے۔

نماز کیلئے آپ نے وضو کیا نماز کی ایک شرط پوری کر لی۔ مگر اب یہ بھی ضروری ہے کہ جتنی دیر آپ کو نماز پڑھنی ہے اس سارا عرصہ آپ کا وضو باقی بھی رہے۔ اب اگر دوران نماز وضو ٹوٹ جاتا ہے تو آپ کی پہلی پڑھی ہوئی رکعات بھی گنیں اور جو نہیں پڑھیں وہ بھی پڑھنے سے رہ گئیں۔ اب آپ کی نماز نہ ہوگی تا وقتیکہ آپ وضو کی تجدید نہ کر لیں۔

اس کے علاوہ کچھ امور ہو سکتے ہیں جو نماز توڑ دیں۔ مثلاً دوران نماز گفتگو کرنا، خوردنوش یا کوئی اور ایسا کام

کرنا جو نماز میں ممنوع ہے اور نماز کے نواقض میں شمار ہوتا ہے۔

اسی مثال کو کچھ وسیع کر لیں۔ زندگی زندگی انسان کو خدا کی بندگی کرنی ہے۔ اس کیلئے ایک تو یہ ضروری ہے

کہ انسان کا شہادت حق دینا ایک بار معتبر ہو (جو کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو شرط کے ساتھ ادا کرنے سے ہوتی ہے) دوسرا یہ ضروری ہے کہ اس کا شہادت حق دینا پھر مرتے دم تک معتبر بھی رہے۔ یعنی خدا کا کلمہ نہ ٹوٹے۔ کلمہ کو توڑ دینے والی باتوں کو بھی علماء کی اصطلاح میں نواقض اسلام کہا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اپنے رسالہ ”اربع قواعد للدين تميز بين المؤمنين والمشرکين“ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

چنانچہ اگر تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی عبادت کرانے کو پیدا کیا تو پھر تم کو یہ بھی جانا چاہیے کہ عبادت عبادت ہی نہیں کہلاتی جب تک وہ توحید کے ساتھ نہ ہو، بالکل ویسے ہی جیسے نماز نماز نہیں کہلاتی جب تک وہ طہارت کے ساتھ ادا نہ ہو۔ پھر جب شرک آ جائے تو عبادت باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جیسے دوران نماز کسی کا وضو جاتا رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِم بِالْكَفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ (التوبہ: ۱۷)

”مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد آباد کریں جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دیتے ہیں۔ ان کے تو سارے اعمال اکارت ہیں اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔“

چنانچہ اگر تم اس بات سے آگاہ ہو جاؤ کہ عبادت جب شرک آمیز ہو تو باطل ہو جاتی ہے انسان کا سارا عمل اکارت ہو جاتا ہے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والوں میں شمار ہوگا تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اس بات سے آگاہ رہنا تم پر سب سے زیادہ لازم ہے شاید کہ اللہ تعالیٰ تمہیں شرک کے اس چنگل سے بچا کر رکھ لے۔ (مجموعہ التوحید صفحہ: ۲۵۴)



نواقض اسلام وہ باتیں ہیں جن سے آدمی پر آگ واجب ہو جاتی ہے۔ ان کے پائے جانے کی صورت میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ خیرات تو کیا حتیٰ کہ کلمہ بھی فائدہ نہیں دیتا..... تا آنکہ ان سے توبہ نہ کر لی جائے۔ کیونکہ نواقض اسلام ہیں ہی وہ باتیں جن کی سب سے پہلے کلمہ پر ہی زد پڑتی ہے۔

یہاں ”کلمہ گو“ والی غلط فہمی کا ازالہ ایک بار پھر ضروری ہے۔ نواقض اسلام کہتے ہی ان باتوں کو ہیں جو کسی شخص کو اسلام سے خارج کر دیں یعنی کلمہ گو کو مسلمان نہ رہنے دیں۔ نواقض اسلام کسی کافر کو اسلام سے خارج کرنے والی باتوں کو نہیں کہا جاتا بلکہ نواقض اسلام تو عین وہ باتیں ہیں جو کسی ”کلمہ گو“ کو کافر قرار دینے کیلئے علماء اور ائمہ نے بیان کی ہیں۔ یہ بات جان لینے کے بعد اس امر کی گنجائش نہیں رہتی کہ آپ کسی کلمہ پڑھنے والے شخص کو طاغوت کی مسند پر دیکھیں یا کسی قبر کو سجدہ کرتے ہوئے پائیں تو اسے ”بہر حال مسلمان“ کہنے اور سمجھنے پر مجبور ہوں۔

نواقض اسلام کی بابت ایک اور بات ذہن نشین ہونا بھی ضروری ہے۔ اسلامی فقہ کی کوئی کتاب ایسی نہ ہوگی جس میں ”باب المرتد“ نہ ہو۔ اس باب میں فقہاء دراصل نواقض اسلام ہی بیان کرتے ہیں۔ کتب فقہ میں ان باتوں کی فہرست بہت طویل ہے جن سے ایک کلمہ گو اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ مگر اس مختصر رسالہ میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ نے ان باتوں کو دس نواقض اسلام کے تحت بہت جامع انداز میں بیان کر دیا ہے۔ بہر حال ہمارے ہاں کوئی شخص جیسے مرضی شرک کرے چاہے کروڑوں انسانوں پر معبود اور طاغوت بن بیٹھے جب تک ”کلمہ“ پڑھنے سے دستبردار نہ ہو اس کو مسلمان کہنا واجب سمجھا جاتا ہے۔ گویا مرتد شخص وہ ہوتا ہے جو اسلام سے ”بقلم خود“ مستغنی ہو جائے اور خود کو مسلمان کہے اور لکھے جانے پر شدید معترض ہو! ایسی کوئی شرط کسی فقیہ نے فقہ کی کسی کتاب میں نہیں لگائی جو کہ ہمارے جاہلی معاشرے میں تقریباً اجماع کا درجہ رکھتی ہے۔

نواقض اسلام کو جاننا ایک اور لحاظ سے بہت اہم ہے۔

جہاں تک لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی شروط کا تعلق ہے جیسے علم، یقین، اخلاص، صدق دل وغیرہ وغیرہ تو یہ مسلمان ہونے کے لئے لازمی تو ہیں مگر ان شرطوں پر عمل پیرائی کا معاملہ ایک حد تک اللہ اور بندے کے مابین ہوتا ہے کیونکہ یہ بات انسانوں کے ضبط میں آنے والی نہیں کہ کسی انسان نے کس حد تک علم، یقین، اخلاص، صدق و وفا اور تسلیم کے ساتھ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اقرار کیا ہے۔ اور جب ایسا ہے تو مذہب اہلسنت کی رو سے ہمارے لئے کسی آدمی کا صرف ظاہری اقرار ہوگا، جب وہ یہ کلمہ ادا کر دے۔ پھر ہم اسے مسلمان ہی مانیں گے..... جب تک کہ وہ نواقض اسلام میں سے کسی ایک کا مرتکب نہ ہو جائے۔

چنانچہ واجب ہوگا کہ ہر ”کلمہ گو“ کو مسلمان سمجھتے ہوئے اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ رکھا جائے اور جب تک اسلام سے خارج کر دینے والا کوئی قول یا عمل واضح طور پر اس سے سرزد نہ ہو، کسی ظن اور قیاس آرائی کی بنا پر اسے کافر نہ کہا جائے۔ کیونکہ ایسی صورت میں کفر کا فتویٰ خود لگانے والے پر پلٹ آئے گا۔ مسلمان بھائی کو کافر کہنے کی ممانعت والی حدیث کا مصداق وہی آدمی ہو سکتا ہے جو نواقض اسلام کا واضح طور پر مرتکب نہ ہو۔ ورنہ فقہ اسلامی میں مرتد کا باب سرے سے نہ ہوتا کیونکہ ہر آدمی جانتا ہے ارتداد کا حکم غیر کلمہ گو پر نہیں کلمہ گو پر ہی لگتا ہے۔



بنیادی طور پر یہ دو انتہائیں ہیں:

ایک انتہا یہ ہے کہ کسی بہت ہی ناکافی بنیاد پر اور کوئی بھی شرعی علم رکھے بغیر آدمی دوسرے پر کفر کا یا شرک کا

فتویٰ لگائے۔ یہ انتہا بھی ہمارے ہاں بہت پائی جاتی ہے۔

دوسری انتہا یہ ہے کہ خواہ کوئی لاکھ انداز میں اللہ رب العالمین کے ساتھ واضح ترین انداز میں شرک کرے اور نواقض اسلام کا کھلا کھلا ارتکاب کرے اول تو اس پر اسے ٹوکنے اور خدا کی پکڑ سے ڈرانے اور شرک سے روکنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی جائے اور اگر کوئی دوسرا یہ فرض انجام دے تو اس کو بھی خواہ مخواہ کا تشدد سمجھا جائے پھر اگر کسی پر اس کا شرک پوری طرح واضح کر دیا گیا ہو اور اس کو علم کی بنیاد پر خدا سے ڈرایا گیا ہو مگر وہ اپنے اس شرک یا اس کفریہ رویے پر ہی پوری طرح مصر ہو تو بھی اس کو مسلمان ہی سمجھا جائے۔ یہ دوسری انتہا بھی ہمارے معاشرے میں خاصی زیادہ پائی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے جو ہم نے کہا ہے کہ اگر ایک شخص کو خواہ جتنا مرضی وہ خدا کے ساتھ شرک اور اس کے خلاف بغاوت کر لے ہر حال میں مسلمان ہی شمار ہونا ہے تو فقہ اسلامی میں مرتد کا باب سرے سے ہوتا ہی کیوں؟ کیا مرتد کا حکم فقہ اسلامی میں غیر کلمہ گو پر لگایا جاتا ہے!؟

البتہ یہاں ایک بات ضرور واضح ہو جانی چاہیے:

نواقض اسلام سے خبردار ہونا اور خبردار کرنا تو ہر کسی کا کام ہے۔ اس کی سنگینی سے ہر شخص کو واقف ہونا چاہیے۔ نواقض اسلام جب ان باتوں کو کہتے ہیں جو آدمی کو دین سے خارج کر دیں تو پھر ان سے بچنے اور بچانے کا کام ہر کسی کو کرنا ہے۔ عوام الناس میں نواقض اسلام کا علم عام کرنے سے بنیادی طور پر ہماری یہی غرض ہونی چاہیے کہ لوگ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کی اسیری سے خود بچیں اور مل کر ایک دوسرے کو بچائیں۔

لہذا سب سے پہلے تو نواقض اسلام کا جاننا ہر شخص کے اپنے فائدے کیلئے ہے پھر اس کے ساتھ ساتھ جہاں تک ہو سکے وہ اوروں تک اس فائدہ کو پہنچائے۔ آدمی کسی کو جہنم میں پڑنے سے بچا سکتا ہو تو اس میں بھی ہرگز کوتاہی نہ کرے۔

نواقض اسلام سے خود بچنا اور دوسروں کو بچانا..... یہ دو باتیں تو ہر کسی کیلئے ہیں خواہ کوئی عامی ہے یا عالم۔

البتہ ایک تیسری بات ہے اور اس کا تعلق عوام الناس سے نہیں۔ یہ صرف اہل علم کا شعبہ ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص نواقض اسلام میں سے کسی ایک کا مرتکب ہو رہا ہے اس کی بابت کب یہ فیصلہ کیا جائے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا ہے۔ یہ فیصلہ بہر حال عوام الناس کے کرنے کا نہیں نہ تو کسی گروہ کے بارے میں اور نہ کسی فرد کے بارے میں۔ اس کا فیصلہ وہی لوگ کریں گے جو علم اور فقہ پر دسترس رکھتے ہوں۔ ہاں عوام الناس کا اس تیسری بات سے اس

حد تک تعلق ضرور ہے کہ اہل علم ایک بار جب کسی شخص یا گروہ پر کوئی حکم لگا دیں تو پھر ضرور وہ بھی (یعنی عوام بھی) اس پر وہ حکم لگائیں۔

یہ تینوں امور دین کے داعی طبقوں پر واضح ہو جائیں اور ان کی پابندی ہونے لگے تو افراط اور تفریط کے بہت سے مظاہر ختم یا کم ہو سکیں گے۔ لوگ نواقض اسلام کا مطلب ’فتویٰ لگانا‘ لیتے ہیں۔ اس غلط فہمی میں دونوں طبقے شریک ہیں وہ بھی جو نواقض اسلام کے موضوع کو اہمیت اور توجہ دینے میں غلو سے کام لیتے ہیں اور وہ بھی جو نواقض اسلام کے موضوع کو سرے سے توجہ نہیں دیتے۔ چنانچہ دونوں کے مابین اصل جھگڑا اور اصل مسئلہ ’فتویٰ لگانا یا نہ لگانا‘ بن جاتا ہے۔ رہا اصل کام یعنی اسلام اور کفر کی حدود کا علم عام کرنا اور مخلوق کو ان سے خبردار کرنا تو وہ دونوں نہیں کرتے..... کیونکہ دونوں کا موضوع لوگوں پر حکم لگانا یا نہ لگانا ہو جاتا ہے۔

اصل کام یہ ہے کہ نواقض اسلام سے ڈرانے اور خبردار کرنے کا کام دین کے داعی سب طبقے کریں۔ کوئی بھی دیندار ہو وہ اپنے گرد نواقض اسلام کا ارتکاب ہوتا دیکھے تو اس پر اپنے آپ کو چیلنج ہوتا ہوا پائے اور ان کو ختم کرنے پر اپنی پوری توانائی صرف کر دے۔ مراد یہ ہے کہ نواقض اسلام کی سنگینی کو دعوت کا ایک موضوع بنانا ’فتوے‘ لگائے بغیر بھی ممکن ہے اور ہماری اس تحریر کی دراصل یہی غایت ہے۔



فتنوں کا ایک ایسا دور جس میں آدمی صبح کو مؤمن اور شام کو کافر ہو رہے یا پھر شام کو مؤمن ہو اور صبح چڑھنے تک کافر ہوا ہو..... اس کی پیشین گوئی حدیث میں ہوئی ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال:

”بادروا بالاعمال فتنا كقطع الليل المظلم. يصبح الرجل مؤمناً ويمسى كافراً أو يمسي مؤمناً ويصبح كافراً يبيع دينه بعرض من الدنيا“ (رواہ مسلم)

”نیک اعمال کی جلدی کر لو اس سے پہلے کہ کچھ ایسے فتنے آئیں جو رات کے سیاہ پردوں کی طرح (چھا جانے والے) ہوں۔ آدمی صبح کو مؤمن ہوگا تو شام کو کافر ہوگا۔ یا شام کے وقت مؤمن ہوگا تو صبح تک کافر بنا ہوگا۔ دنیا کے کسی لالچ کے عوض آدمی اپنا دین بیچ دیا کرے گا۔“

پس فتنوں کے دور میں نواقض اسلام، یعنی وہ باتیں جن کے ارتکاب سے آدمی حالت ایمان سے حالت کفر میں چلا جاتا ہے، کا علم رکھنا اور ان سے بے حد خبردار رہنا اور دوسروں کو خبردار کرنا اس حدیث کی رو سے اور بھی ضروری

ہو جاتا ہے۔

کفر یا شرک یا خدا کو غصہ دلانے کے بعض الفاظ یا عبارتیں، رویے یا انداز ایک جاہلی ماحول میں بسا اوقات اس قدر عام اور معمول کی بات ہو جاتے ہیں کہ آدمی کو اندازہ بھی نہیں ہوتا اور وہ کفر کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے۔ کسی چیز سے لاعلمی کوئی مطلق عذر نہیں۔ بسا اوقات لاعلمی الگ سے آدمی کا ایک گناہ شمار ہوتا ہے اور اس لاعلمی کے باعث کیا گیا گناہ یا کفر و شرک کا وہ کام الگ سے اس کے کھاتے میں ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔ آدمی کو یہ اندازہ تک نہ ہونا کہ وہ خدا کو کس قدر ناراض کر دینے والی بات کر رہا ہے بسا اوقات علیحدہ سے ایک جرم شمار ہوتا ہے۔ جب آدمی جاننے پر قادر ہو مگر جاننے کی ضرورت تک محسوس نہ کرے تو بہت امکان یہ ہے کہ خدا کے ہاں اس کا جاہل رہنا کوئی عذر نہ ہو۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

”إن العبد لیتکلم بالكلمۃ من رضوان اللہ لا یلقى لها بالاً یرفعہ اللہ بها درجات. وإن

العبد لیتکلم بالكلمۃ من سخط اللہ لا یلقى لها بالاً یرہوی بها فی جہنم“ (رواہ البخاری)

”ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”بندہ کبھی کوئی خدا کو خوش کرنے والی ایسی بات زبان سے بول دیتا ہے جس کی طرف اس کی کوئی توجہ تک نہیں

گئی ہوتی مگر اللہ اس کے سبب اس کے بہت سے درجات بلند کر دیتا ہے۔ بندہ کبھی کوئی خدا کو ناراض کر دینے والی ایسی بات زبان سے بول دیتا ہے جس کی طرف اس کی کوئی توجہ تک نہیں گئی ہوتی مگر اس کے باعث وہ جہنم کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔“



نواقض اسلام ہر گناہ کو نہیں کہتے۔ حتیٰ کہ جو بڑے بڑے گناہ ہیں یعنی کبائر، وہ بھی سب کے سب اسلام کے نواقض نہیں۔ کم از کم اہلسنت کا عقیدہ یہی ہے کہ کبائر کا مرتکب شخص خدا کی رحمت پہ معلق ہے وہ چاہے تو اس کو معاف کر دے اور چاہے تو ان پر پکڑ کر لے اور عذاب دے کر جہنم سے کسی نہ کسی وقت نکال دے۔ قتل، زنا، چوری، ڈکیتی، سود، شراب خوری وغیرہ وغیرہ محض کبائر ہیں۔ یعنی یہ بہت بڑے بڑے گناہ ہیں مگر یہ آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتے۔ مگر وہ باتیں جو ہم نواقض اسلام کے تحت یہاں آگے چل کر پڑھیں گے وہ کبائر سے بھی بھیا نک تر ہیں۔ یعنی یہ جو نواقض اسلام ہیں قتل، زنا، چوری، ڈکیتی، سود اور شراب خوری وغیرہ سے بھی بڑے گناہ ہیں۔ یہ سب شرک اور کفر کی قبیل سے ہیں جو کبھی معاف نہیں ہوتے سوائے یہ کہ آدمی موت سے پہلے ان سے تائب ہو جائے۔

ایمان کے بعد کفر یا شرک کی راہ اپنانا خدا کو سب سے زیادہ مبغوض ہے۔ کیونکہ ایسا آدمی اسلام میں سب سے بری مثال قائم کرتا ہے۔ دعویٰ اسلام کا اور کام شرک کا، یہ زمین میں سب سے بڑا فساد ہے۔ جو آدمی پہلے ہی اسلام سے باہر ہے اس کا تو معاملہ اور ہے مگر جو آدمی اسلام میں آ کر غیر اسلام پر چلے تو ایسا شخص دراصل اسلام اور شرک کا فرق ہی ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ جانتے بوجھتے ہوئے اسلام اور کفر کا فرق ملیا میٹ کر دینا سب سے بڑا جرم ہے۔

مسلم اُمت بنیادی طور پر ایک نظریاتی سوسائٹی کا نام ہے۔ اس میں داخل ہونے کی کچھ شروط ہیں۔ اس میں رہنے کے کچھ تقاضے ہیں اور اس کی رکنیت ختم ہو جانے کے کچھ قواعد و ضوابط ہیں۔ 'نواقض اسلام' کے تحت علماء نے دراصل یہ قواعد و ضوابط ہی بیان کئے ہیں جو کہ آدمی کی مسلم سوسائٹی کی رکنیت باقی رہنے یا نہ رہنے کا تعین کرتے ہیں۔

نواقض اسلام کچھ اعتقادات بھی ہو سکتے ہیں۔ کچھ کام بھی ہو سکتے ہیں اور کچھ رویے بھی۔ نواقض اسلام کے مرتکب پر، اس کو خبردار کر دینے اور تائب ہونے کا موقعہ دے دینے کے بعد، اہل علم و افتاء کی طرف سے جب باقاعدہ کفر کا حکم لگا دیا جائے تو اس کے بعد اس شخص کو مرتد کہا جاتا ہے۔ اس کی اس حالت کو 'ارتداد' یا 'ردّۃ' سے موسوم کیا جاتا ہے۔

آئندہ صفحات میں اب ہم اسلام کے نواقض ایک ایک کر کے پڑھیں گے۔

(باقی آئندہ شمارے میں)

نواقض اسلام

(وہ باتیں جن سے آدمی مسلمان نہیں رہتا)

(2)

(حامد کمال الدین)

یہ بھی ازبر کر لو کہ (نواقض اسلام) وہ باتیں جن سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، دس ہیں:

پہلی بات جو آدمی کو دائرۃ اسلام سے خارج کر دیتی ہے

پہلی بات یہ ہے کہ انسان اللہ کی عبادت اور بندگی میں کسی کو شریک کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہو سکتا ہے جسے وہ معاف کرنا

چاہے“

”جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور

ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں“۔

اس عبادت اور بندگی میں یہ بھی شامل ہے کہ آدمی غیر اللہ کیلئے ذبیحہ کرے جیسے کسی جن کیلئے یا کسی قبر کیلئے

کوئی جانور ذبح کیا جائے۔

آدمی شرک کرے اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھے اس سے بڑی غلط فہمی کوئی نہیں ہو سکتی۔ جتنے بھی رسول آئے

سب نے لوگوں کو شرک سے ہی تو خبردار کیا تھا۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی شرک کرتے ہوئے اپنے آپ کو رسولوں

کے دین پر سمجھے۔ اسلام وہی رسولوں کا دین ہی تو ہے جس کی ملت شرک سے کھلی دشمنی ہے۔ خاتم المرسلینؐ کی ساری

زندگی اس شرک کے خلاف جہاد کرتے ہی تو گزری ہے۔

شرک خدا کی ذات میں بھی ہو سکتا ہے مثلاً آدمی ایک سے زیادہ خداؤں کا وجود مانے۔ یا خدا کی ذات کو منقسم مانے جیسے کسی ہستی کو خدا کا حصہ ماننا۔ یا خدا سے کسی کا نسب جوڑے جیسے خدا کیلئے بیٹے یا بیٹیاں تجویز کرنا۔ یا کہے کہ خدا اور مخلوق ایک ہی چیز ہیں اور جو کچھ بھی نظر آتا ہے یہ بس خدا کی ہی مختلف صورتیں ہیں جیسا کہ وحدۃ الوجود کا عقیدہ رکھنے والے کہتے ہیں۔ خدا ان سب گمراہ تصورات سے بلند و بالا ہے۔ ایسا شرکیہ عقیدہ رکھنے کے بعد آدمی دائرۂ اسلام میں نہیں رہتا۔

شرک خدا کی صفات میں بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً کسی مخلوق ہستی میں خدا کی صفات کا وجود مان لینا۔ جیسے یہ کہنا کہ خدا کا سننا اور مخلوق کا سننا ایک جیسا ہے یا کسی مخلوق کا علم بھی خدا کے علم جیسا ہے وغیرہ وغیرہ۔ شرک خدا کی ربوبیت میں بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً تخلیق یا کائنات کی تدبیر یا مخلوق کی رزق رسانی یا مشکل کشائی یا فریاد رسی وغیرہ ایسے افعال جو کہ صرف خدا کر سکتا ہے آدمی یہ عقیدہ رکھے کہ خدا کے سوا کوئی اور ہستی بھی کچھ نہ کچھ یہ کام کر سکتی ہے۔ یہ صاف صاف شرک ہے اور قرآن میں اس کی مذمت جگہ جگہ ملتی ہے۔

شرک خدا کی الوہیت یعنی خدا کے حق عبادت میں بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً خدا کے علاوہ یا خدا کے ساتھ کسی کو حاجت روائی یا طلب رزق یا حصول اولاد کیلئے پکارنا۔ خدا کے علاوہ کسی ہستی کو سجدہ کرنا یا کسی کے نام کا ذبیحہ دینا یا چڑھاوا چڑھانا یا خدا کے علاوہ کسی اور کی شریعت (قانون) پر چلنا وغیرہ۔ اس شرک کے بیان سے بھی قرآن مجید پُر ہے۔

شرک کی زیادہ وضاحت آگے چل کر ایک الگ رسالہ میں آئے گی۔ لہذا یہاں اس کی زیادہ تفصیل میں ہم نہیں جائیں گے۔ اوپر شرک کی جو صورتیں بیان ہوئیں سب کی سب شرک اکبر ہیں۔ یعنی وہ شرک جس کے ارتکاب سے کفر لازم آ جاتا ہے۔ رہا شرک اصغر تو وہ ملت سے خارج نہیں کرتا۔ بہر حال اس کی تفصیل متعلقہ رسالہ میں آئے گی۔



دوسری بات جو آدمی کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتی ہے

دوسرا وہ آدمی ہے جو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے اور وسیلے بنا کر ان کو پکارنے لگے۔ ان سے شفاعت کا سوالیہ ہو اور ان پر توکل اور سہارا کرنے لگے ایسا شخص اجماع اُمت کی رو سے کافر ہے۔

بنیادی طور پر یہ بھی شرک ہی ہے اور اصولی طور پر اس سے پہلے والی گفتگو میں ہی آ سکتا تھا۔ مگر چونکہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کو خدا کے ہاں سیڑھی بنانا اور اس حیثیت میں پکارنا تو شرک نہیں اور یہ کہ کسی کو وسیلہ سمجھ کر یا

شفاعت کرنے والا مان کر اس سے دُعا کرنے میں تو کوئی حرج نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ شرک تو تب ہوگا جب ہم ان کو مستقل بالذات سمجھ کر ان سے حاجت روائی کرائیں۔ یوں ان ہستیوں کو محض ایک ’وسیلہ‘ سمجھ کر وہ ان کو پکارتے بھی اور ان پر توکل اور بھروسہ بھی رکھتے ہیں..... تو اس لئے مصنف نے اس فعل کو ایک علیحدہ بند کے طور پر نوافض اسلام میں بیان کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اس پر اجماع اُمت کا بھی الگ سے حوالہ دیا ہے۔ کیونکہ بعض لوگ خاص اس مسئلے (یعنی کسی مخلوق کو ’وسیلہ‘ یا ’سیڑھی‘ سمجھ کر مدد کیلئے پکارنا) کو اختلافی ہونے کا تاثر بھی دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ اجماعی طور پر شرک ہے۔

خدا کے علاوہ جب آپ نے مدد اور مشکل کشائی کیلئے کسی مخلوق ہستی کو پکار لیا تو آپ نے شرک کا ارتکاب کر لیا۔ بے شک آپ یہ کیوں نہ سمجھیں کہ وہ ہستی آپ کی پکار کو خدا تک پہنچا کر آئے گی۔
 ”خبردار دین اور بندگی خالص اللہ کی۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے اس کے سوا دوسرے ولی و سرپرست پکڑ رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔ اللہ یقیناً ان کے درمیان ان تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہو۔“



تیسری بات جو آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہے

تیسرا وہ شخص ہے جو مشرکین کو کافر نہ کہے یا ان کے کافر ہونے میں شک کرنے لگے یا ان کے مذہب کو اچھا کہنے یا سمجھنے لگے ایسا شخص بھی کافر ہو جاتا ہے۔

یہاں چند ایک باتوں کی وضاحت کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے:

(۱) ہمارے یہاں برصغیر میں کسی شخص کو ’مشرک‘ تو نسبتاً بڑے آرام سے کہہ دیا جاتا ہے مگر جب اس کو کافر کہنے کا سوال آئے تو تب لوگ محتاط ہونا ضروری سمجھتے ہیں! حالانکہ ان دونوں باتوں کیلئے ایک ہی درجہ کی احتیاط لازم ہے کیونکہ یہ دونوں باتیں دراصل لازم و ملزوم ہیں۔

یہ عجیب ماجرا ہے کہ ہمارے ایک خاص طبقے کے ہاں کسی شخص کو ’مشرک‘ کہہ دینے میں کسی احتیاط یا کسی توقف کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ تمام کی تمام احتیاط یہ لوگ اس ’مشرک‘ کو کافر سمجھنے کیلئے پس انداز رکھتے ہیں! جبکہ معاملہ یہ ہے کہ احتیاط دراصل پہلا قدم اٹھانے کے وقت ہی درکار ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس سے شرک کا کوئی فعل سرزد ہو اس کو فوراً مشرک نہیں کہہ دیا جائے گا۔ ہر وہ شخص جس سے فسق کا کوئی کام سرزد ہو اس کو معافاً فسق اور

جس سے بدعت کا کوئی کام ہو اس کو جھٹ سے بدعتی نہیں کہہ دیا جائے گا۔

کسی کے شرکیہ فعل کی بنا پر اس کو مشرک قرار دینے کی کچھ شروط ہیں۔ وہ اپنے اس فعل کا مطلب جانتا ہو۔ اس پر حجت قائم کر دی گئی ہو۔ اس کی لاعلمی یا شبہات و اشکالات اور تاویلات کا علمی انداز سے ازالہ کر دیا گیا ہو وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ جتنی احتیاط ہو سکے وہ یہیں پر، یعنی کسی کو مشرک قرار دیتے وقت کی جانی ہے۔ 'توقف' کا اصل مقام یہ ہے۔ لیکن اگر اس سے گزر جانے کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور آپ کسی شخص کو مشرک ہی کہنے لگ جاتے ہیں تو اس کے بعد پھر اس کو ہنوز مسلمان ماننا البتہ ایک مضحکہ خیز امر ہے۔

اس غلط فہمی کے باعث لوگوں میں یہ تاثر پھیل گیا ہے کہ سب مشرک کافر نہیں ہوتے۔ گویا بعض مشرک مسلمان ہوتے ہیں اور بعض مشرک کافر!

اصل قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ کلمہ گو شخص جو شرک کے کسی فعل میں پڑ جائے اس کو تب تک مشرک نہیں کہا جائے گا جب تک کہ اہل علم کے ہاتھوں اس پر حجت قائم نہ ہو جائے اور اس پر مشرک ہونے کا باقاعدہ حکم نہ لگا دیا جائے۔ جب تک یہ نہیں ہو جاتا اس کے اس شرکیہ فعل کو شرک تو بر ملا کہا جائے گا اور اس شرک سے اس کو رد کا بھی ضرور جائے گا مگر اس شخص کو 'مشرک' کہنے سے احتیاط برتی جائے گی۔ البتہ جب وہ شرعی قواعد و ضوابط کی رو سے اہل علم کے ہاتھوں مشرک ہی قرار دے دیا جائے تو اس وقت وہ دائرۂ اسلام سے خارج بھی شمار ہوگا۔

(۲) مشرکین ایک تو وہ ہیں جو سرے سے مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے اور ایک وہ جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں مگر ان کا شرک اہل علم کی جانب سے ان پر واضح کر دیا گیا ہو اور ان کا دین انبیاء سے متضاد ہو ان پر آشکارا کر دیا گیا ہو، ان کو تائب ہو جانے کی ترغیب اور تاکید کر لی گئی ہو اور باقاعدہ علمی شروط کو پورا کرتے ہوئے بالآخر ان پر مشرک ہونے کا حکم لگا دیا گیا ہو۔

ثانی الذکر کی بابت اوپر ہم کچھ بات کر چکے۔ اول الذکر کی مثال جیسے ہندو، پارسی، بدھ، بت پرست اور تثلیث اور صلیب کے پجاری وغیرہ۔

مشرکین اول الذکر ہوں یا ثانی الذکر، جب وہ مشرکین قرار پا جائیں تو ان کو کافر نہ کہنے کا مطلب یہی ہے کہ ہم اسلام کے اندر شرک کا وجود برداشت کریں۔ کفر کا مطلب ہے خدا کے دین سے یا انبیاء کی دعوت سے تضاد روا رکھنا۔ اب خدا کا دین یا انبیاء کی دعوت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اللہ کی بلا شرکت غیرے بندگی۔ سو انبیاء کے دین کے ساتھ کوئی سب سے بڑا تضاد اور کفر ہو سکتا ہے تو وہ خدا کے ساتھ شرک ہی ہے۔ لہذا جو آدمی مشرکین کو رسول کے دین سے متضاد نہیں مانتا اس کا اپنا ایمان بھی چلا جاتا ہے۔ شرک کی قباحیت اور مذمت کا معاملہ واقعتاً اتنی ہی صراحت اور

بے لحاظی چاہتا ہے..... اور دراصل یہ اللہ کا حق ہے۔

”اے نبی! ان سے پوچھو: ”کون تم کو آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے؟“ کہو: ”اللہ“ اب لامحالہ ہم

میں اور تم میں سے کوئی ایک ہی ہدایت پر ہے یا کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔“

پس شرک کے ساتھ عداوت کا اسلام میں جو حکم ہے اور ملت شرک کے ساتھ مخاصمت کی شریعت میں جو تاکید ہوئی ہے اس کو دو ٹوک نہ رہنے دینا اور اس کو رواداری کی نذر کر دینا ایک سطح پر جا کر آدمی کو دین اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

’شرح نوافض الاسلام‘ میں شیخ عبدالعزیز الرازحی کہتے ہیں:

”مشرکین کی تکفیر کرنا دراصل کفر باطاغوت کے معنی میں شامل ہے۔ کفر باطاغوت میں یہ شامل ہے کہ آدمی طاغوت کی بندگی کرنے والوں کو کافر اور گمراہ اور ہلاکت پر جانے۔“

(۳) ہمارے ہاں کچھ لوگ ہندوؤں، عیسائیوں، سکھوں اور پارسیوں وغیرہ کو ازراہ شائستگی کافر یا کفار کہنے سے عمداً احتراز برتتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ خواخواہ کی شدت اور غلظت ہے۔ ہندوؤں، عیسائیوں اور سکھوں کیلئے زیادہ سے زیادہ یہ کسی لفظ کے روادار ہیں تو وہ ہے ’غیر مسلم‘۔ بسا اوقات یہ ان کو ’غیر مسلم بھائیوں‘ کے طور پر بھی پکارتے ہیں خصوصاً بعض سیاسی یا سماجی سرگرمیوں کے ضمن میں۔

چنانچہ اسلام کے سوا کسی اور دین کے ایک بیروکار اور محمد ﷺ کی شریعت کی تابعداری سے انکار کرنے والے ایک شخص کیلئے ’کافر‘ کا لفظ بولنا جس کلمہ گو پر گراں گزرتا ہے وہ خود بھی کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

(۴) مشرکین کے کافر اور برسر باطل ہونے میں شک کرنا بھی کفر کا موجب ہے۔

بہت سے روشن خیال یہاں ایسے دیکھے گئے ہیں جو اپنے ’مذہب‘ پر رہتے ہوئے نماز روزہ بھی کرتے ہیں اور اسلام کے بہت سے اور فرائض بھی ایک روایتی انداز میں انجام دے لیتے ہیں مگر دوسرے مذاہب کو صریحاً باطل اور غلط کہنے کے بھی کچھ زیادہ روادار نہیں۔ ان میں سے کئی سارے یہ کہتے بھی دیکھے گئے ہیں کہ بھائی ہر کسی کو اپنے مذہب پہ چلنا ہے اور ہر کسی کو اپنا دھرم پیارا ہے۔ ہم اپنے مذہب پہ چلتے ہیں اور دوسرے لوگ اپنے اپنے مذہب اور دھرم پہ چلتے ہیں۔ اب یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ کون صحیح ہے!

یہ انداز فکر صریحاً کفر ہے۔ گویا خدا نے کوئی رسول اس کو یہ بتانے کیلئے بھیجا ہی نہیں کہ کیا حق ہے اور کیا باطل۔ ایسے آدمی کا رسول کی لائی ہوئی ہدایت سے کفر کرنا اظہار من الہتمس ہے۔ اسلام اور توحید کے سوا کسی راستے پر

چلنے کو بربادی نہ جاننا خود بربادی ہے چاہے آدمی بظاہر کتنا ہی 'باشرع' کیوں نہ ہو۔ ایسے ظالم نے رسول کی بعثت کا مول ہی کیا لگایا؟

غرض مشرکوں اور ادیان باطلہ کے پیروکاروں کے کافروں برسر باطل ہونے میں شک کرنے کا اندازِ فکر طرح طرح سے آج اسلام کے نام لیوا کچھ طبقوں کے اندر بولتا ہے۔ خدا کی بابت یوں سوچنا ”جی کیا پیٹہ وہ کس سے خوش ہو جائے کوئی نماز پڑھ کے اس کو مناتا ہے کوئی ناچ کر اور کوئی برہنہ ہو کر“ گویا رسولؐ نے اس کو یہ بات بتائی ہی نہیں کہ اس کا پیدا کرنے والا، جو کہ تمام تر حکمت اور دانائی کا مالک ہے اور اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے رسول بھیجتا ہے، انسانوں کی کس بات سے خوش ہوتا ہے اور کس بات سے ناراض۔

اس طرزِ فکر کو یہ لوگ اگر رواداری سمجھتے ہیں تو ایسی رواداری رسولؐ کے لائے ہوئے دین اور قرآن کی بتائی ہوئی قطعی اخبار کے ساتھ واضح کفر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس انداز کی اور اس سے ملتی جلتی 'رواداری' آج ایک کثیر خلقت کا مسلک ہے۔

(۵) اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ مشرکین کے مذہب کو آدمی اچھا کہہ دے۔ مشرکین کے مذہب کی کسی وقت تعریف کر دینا یا ان کے مذہب کیلئے اچھے الفاظ بول دینا آدمی کو ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ بے شک آدمی لحاظ ملاحظے کیلئے اوپر اوپر سے کہہ دے یا دل سے ایسا سمجھے، دونوں صورتوں میں یہ کفر ہے۔ گوٹانی الذکر سنگین تر ہے۔ اسلام کے ماسوا ادیان و مذاہب اور عقائد و نظریات کی بابت یہ کہہ دینا کہ اپنی اپنی جگہ سب صحیح ہیں نبی کی لائی ہوئی ہدایت کے ساتھ صریح کفر ہے۔ ایسا کہہ کر یا سمجھ کر آدمی دائرۂ اسلام میں نہیں رہتا۔

(۶) بعض لوگوں نے اس قاعدہ کی کہ ”مشرکوں یا کافروں کو جو آدمی کافر نہ کہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے“ بہت ہی غلط اور بے محل اور تنگ نظر تفسیر کرنا شروع کر دی اور نتیجتاً وہ اپنے اور دوسروں کیلئے فتنہ کا سامان بنے۔

یہ لوگ پہلے کسی ایک شخص یا گروہ کو کافر کہیں گے مثلاً بعض حکمران یا شرک کی داعی بعض شخصیات۔ جبکہ ہو سکتا ہے اس حد تک وہ درست ہی ہوں یا ان کے درست ہونے کا احتمال ہو وہ یہاں رک جائیں تو کوئی زیادہ سے زیادہ ان سے اختلاف کرے تو کرے مگر ان کو گمراہ نہیں کہہ سکتا۔ مگر یہ لوگ اس معاملہ کو بڑھاتے چلے جائیں گے۔ اب جو اس میں ان کی موافقت نہ کرے گا مذکورہ قاعدہ کی اپنی اس غلط تفسیر کی رو سے یہ اس کو کافر کہیں گے۔ اب ان صاحب کی تکفیر پر اگر کوئی ان سے اختلاف کرے، بے شک وہ پہلے مرحلے میں ان کا ساتھ ہی دے چکا ہو۔ وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج۔ اب تیسرے مرحلے کی نوبت آئے گی۔ اب جو ان کو دائرہ اسلام سے خارج نہ سمجھے..... غرض یہ لوگ مرحلہ در مرحلہ تکفیر میں ان کا ساتھ نہ دینے والوں کی تکفیر کرتے چلے جائیں گے۔ یوں یہ دائرہ چلتا رہے گا۔ اس

مضحکہ خیز حرکت کو یہ لوگ عقیدہ کی تطبیق کا نام دیں گے!

یہ طفلانہ انداز تفسیر کچھ اس غلط طریقے سے عام ہوا ہے کہ علمائے اسلام کا بیان کردہ یہ مذکورہ بالا قاعدہ ذکر کرنا بھی اب مشکل ہو گیا ہے۔ ہمارے دور کے بعض مرجع نے بھی اس صورتحال کا خوب خوب فائدہ اٹھایا اور اس قاعدہ کی تطبیق کی کچھ ناپسندیدہ مثالوں کو چٹکوں اور لطیفوں کی صورت میں نشر کر کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ یہ قاعدہ کچھ انتہا پسند اور کم علم جذباتی نوجوانوں کا وضع کردہ ہے نہ کہ علمائے اہلسنت کا بیان کردہ۔

یہ حضرات اگر محمد بن عبدالوہابؒ کو جن کے رسالہ کا متن اوپر دیا گیا ہے علمائے اہلسنت سے خارج سمجھتے ہیں پھر تو اور بات ہے لیکن اگر محمد بن عبدالوہابؒ کو عقیدہ کے موضوع پر منہج اہلسنت کا ترجمان مانتے ہیں تو ان کے ہاں اس قاعدہ کو باقاعدہ نواقض اسلام کے تیسرے بند کے طور پر پا کر ان حضرات کو اپنے اس مفروضہ پر نظر ثانی کر لینا چاہیے۔

(۷) معاملہ یہ ہے کہ اسلام سے منسوب کسی فرد یا گروہ کی تکفیر کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ علماء اہلسنت کا اس کی تکفیر پر اصولی اتفاق ہو۔ دوسری یہ کہ علماء اہلسنت کے ہاں اس فرد یا گروہ کی تکفیر کی بابت ایک سے زیادہ آراء پائی جائیں۔

اول الذکر صورت میں اس قاعدہ کا قطعی اطلاق ہوگا۔ جس فرد یا گروہ کو مشرک اور کافر کہنے پر علمائے حق اصولاً مجتمع ہو گئے ہوں، اس کو کافر نہ کہنے والا آدمی کفر ہی کا مستوجب ہوگا۔

ثانی الذکر صورت میں جو آدمی علمائے اہلسنت کے ایک گروہ کے فتویٰ کا قائل ہے وہ دوسرے گروہ کے فتویٰ پر چلنے والے پر طعن و تشنیع کا مجاز نہ ہوگا۔ اس کی دلیل صحابہ کے تعامل میں بہت واضح ہے۔ مثلاً امام ابن تیمیہؒ ذکر کرتے ہیں کہ خوارج کی تکفیر کی بابت صحابہ اور بعد کے اہلسنت میں اختلاف ہوا ہے۔ یعنی خوارج کو گمراہ ماننے اور ان سے قتال کرنے میں تو صحابہ سب متفق تھے مگر ان کو کافر کہنے کے بارے میں ان کے مابین دورائے پائی گئیں۔ ظاہر ہے کہ صحابہ نے بھی اس اختلاف کو ویسے ہی لیا جیسے دین کے بعض دوسرے مسائل میں اختلاف کی بابت ان کا آپس میں تعامل ہوا کرتا تھا۔ اس اختلاف سے ان کی باہمی محبت اور اخوت میں ذرہ بھر کمی نہ آنے پائی۔

پس صحابہ و تابعین کا ایک فریق کسی شخص یا گروہ پر اگر کفر کا فتویٰ لگاتا تھا اور کوئی دوسرا فریق اس کو کافر نہ گردانتا تھا تو اس صورت میں وہ ایک دوسرے پر نہ تو اس قاعدہ کا اطلاق کرتے تھے کہ ”کافر کو کافر نہ کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے“ اور نہ ہی اس قاعدہ کا کہ ”ایک مسلمان کو کافر کہنے والے کا قول خود اس کے کہنے والے پر ہی لوٹ آتا ہے“۔

تارک نماز کے کافر ہونے کی بابت بھی سلف کا اختلاف منقول ہے۔ یہاں بھی سلف کے مابین علمی اختلاف نظر آتا ہے نہ کہ ایک دوسرے پر طعن و تشنیع۔ نہ تو تکفیر کرنے والے فریق نے تکفیر نہ کرنے والے فریق کو کسی طرح سے مورد الزام ٹھہرایا اور ارجاء کے طعنے دیئے اور نہ ہی تکفیر نہ کرنے والے گروہ نے تکفیر کرنے والے گروہ کی بابت اس اندیشہ کا اظہار کیا کہ تارک نماز کو کافر کہنے والے کا قول خود اس کے کہنے والے پر ہی لوٹ کر آ سکتا ہے۔ یہ دراصل شرعی نصوص کے سمجھنے اور استنباط کرنے میں اختلاف تھا جو ان کی باہمی اخوت و محبت کے برقرار رہنے میں مانع نہ ہوا۔

چنانچہ واضح ہوا کہ اس قاعدہ کا اطلاق ایسے طوائف یا اشخاص کے معاملہ میں ہوگا جن کی تکفیر پر علمائے اہلسنت متفق ہوں۔ ہاں البتہ جہاں علمائے حق کے یہاں ایک سے زیادہ رائیں پائی جائیں وہاں اگر آپ کسی شخص یا گروہ کو مستوجب کفر سمجھتے ہیں اور کوئی دوسرا ایسا نہیں سمجھتا تو آپ دونوں اپنی رائے پر برقرار رہ سکتے ہیں۔

□□□□□□

چوتھی بات جو آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہے

جو شخص یہ سمجھے کہ کوئی ہدایت یا قانون نبی اکرم ﷺ کی ہدایت اور شریعت و قانون سے جامع تر یا مکمل تر ہے یا یہ کہ کسی اور کا حکم و قانون آپ کے حکم و قانون سے بہتر ہے مثلاً وہ شخص جو طاعونوں کے حکم و قانون کو نبی اکرم ﷺ کے فیصلے اور آپ کے قانون پر ترجیح دے، تو ایسا انسان کافر ہے۔

ایمان اور کفر کا معاملہ خاص 'عبادات' کے اندر شرک کرنے یا نہ کرنے سے ہی متعلق نہیں بلکہ انسانی زندگی کے سماجی شعبے اور معاشرتی مسائل بھی ایمان اور کفر کے معاملہ سے براہ راست متعلق ہیں۔

جدید معاشروں کی جو تشکیل ہوئی ہے اس کی بنیاد دراصل مغرب کے دیئے ہوئے سیکولر نظریہ پر رکھی گئی ہے۔ اس میں عبادت کے مفہوم کو پوچھا جا پاٹ اور مذہبی شعائر rituals تک محدود کر دیا گیا ہے۔ اس کی رو سے 'توحید' کا مفہوم آپ سے آپ سکر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں کے بہت سے دیندار اور توحید کے داعی اپنی دعوت کا سارا زور مذہبی معاملات کے اندر شرک نہ کیا جانے پر ہی لگا دیتے ہیں۔ آدمی خدا کے سوا بس کسی کی نذر و نیاز نہ دے، کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا نہ جانے، خدا کے سوا کسی کو مدد کیلئے نہ پکارے تو بس وہ موحد ہے۔ رہے اس کے سماجی نظریات، معاشی فلسفے، اس کے سیاسی تصورات اور اس کا اختیار کردہ نظام مملکت تو یہ عموماً ان لوگوں کے ہاں شرک اور توحید کے دائرے میں آتا ہی نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ یعنی یہ بحث میں آنے تک سے رہ جاتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ توحید کے ان داعیوں نے اپنے آپ کو خود بخود اس Format کا پابند کر لیا ہے جو

ان کے لئے جدید معاشروں کے تخلیق کاروں نے مقرر ٹھہرا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذرونیاز، دُعا والتجا اور ذبیحہ و طواف میں شرک کا ہونا یا نہ ہونا موجودہ جاہلیت کے ہاں کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں۔ موجودہ جاہلیت کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ہدایت لینے کیلئے انسان خدا اور اس کے رسول کے پاس نہ جائیں اور اگر جائیں تو خاص ’مذہبی معاملات‘ میں خدا اور رسول سے ہدایت لیا کریں۔ باقی معاملات البتہ معاشرے کی قیادتوں کیلئے چھوڑ دیں۔

پس اگر آدمی زندگی کے کسی معاملے میں رسول کی لائی ہوئی ہدایت پر کسی اور فلسفے یا نظریے یا ضابطے یا نظام یا طریقے کو ترجیح دیتا ہے تو دراصل وہ خدا اور رسول کے ساتھ کفر کا ارتکاب کر لیتا ہے۔ اس کی زد نظام سیاست پر بھی پڑتی ہے۔ نظام تعلیم پر بھی۔ نظام معیشت بھی اس کی لپیٹ میں آتا ہے اور سماجیات بھی۔ افکار و فلسفہ جات بھی اور دستور و آئین بھی۔

اللہ نے اپنے رسول پر جو کتاب اتاری ہے پہلے آسمانی صحیفوں کی بابت بھی اسے ”مہمینا علیہ“ سے موصوف کیا ہے۔ یعنی بالا و برتر اور فوقیت پا کر رہنے والی۔ اگر پہلی آسمانی کتابوں کے معاملہ میں اس کی یہ حیثیت ہے تو انسانی فلسفوں اور لوگوں کے خود ساختہ نظاموں کی اس کے آگے کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ ان پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا بالا و برتر ہو کر اور فوقیت پا کر رہنا تو کہیں اولیٰ ہے اور اس کی اس حیثیت کا متاثر ہو جانا کفر کا مستوجب۔

یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اس کو علماء اہلسنت نے باقاعدہ نواقض اسلام یعنی وہ باتیں جن سے آدمی کفر کا مستوب ہو جاتا ہے، میں شمار کیا ہے۔ پس یہ بہت ہی اہم بات ہے اور اس سے خبردار رہنا بے حضوری۔

ججو دھبی نواقض اسلام میں آتا ہے

واضح رہے دین کے کسی معلوم امر کا انکار کر دینا بھی مستوجب کفر ہے۔ مثلاً کوئی شخص نماز یا زکوٰۃ یا حج کی فرضیت سے انکار کر دے یا مثلاً کہے سود میں کیا حرج ہے یا شراب میں کیا بُرائی ہے۔ یا مثلاً فحاشی اور بے حیائی کے مظاہر کو جائز قرار دے۔

اس معاملہ میں قاعدہ یہ ہے کہ جو آدمی دین کے معلوم فرائض میں سے کسی ایک کی بھی فرضیت کا انکار کرے یا اسلام کے ٹھہرائے ہوئے معلوم محرمات میں سے کسی ایک حرام کام یا حرام چیز کو بھی جائز قرار دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

آدمی کسی فرض کا تارک ہے یا کسی حرام کام کا مرتکب، جب تک وہ خدا کی فرض ٹھہرائی ہوئی بات کو فرض، حلال ٹھہرائی ہوئی چیز کو حلال اور حرام ٹھہرائی ہوئی چیز کو حرام مانتا ہے تب تک وہ مسلمان ہے اور دائرۃ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ رہا اس کا یہ عملی تصور کہ وہ کسی فرض کا تارک ہے یا کسی حرام کام کا مرتکب، تو خدا چاہے تو اس کو معاف کر دے اور چاہے تو اس کی سزا دے اور بالآخر دوزخ سے نکال لے۔ ہاں البتہ اگر وہ خدا کے فرض کردہ کو فرض ہی نہ مانے یا

شریعت کے ناروا کو روا کر لے، جبکہ وہ جان چکا ہو کہ خدا کی شریعت کا اس معاملہ میں کیا حکم ہے تو ایسا آدمی یقیناً دین سے خارج اور ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔
خدا ہمیں اپنی حفاظت میں رکھے۔



پانچویں بات جو آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہے

وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین اور شریعت کی کسی بھی بات سے نفرت اور بغض رکھتا ہو وہ کافر ہے اگرچہ وہ اس پر عمل پیرا ہی کیوں نہ ہو۔
”یہ اس لئے کہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جسے اللہ نے نازل کیا ہے تب اللہ نے ان کا سب کیا کرایا غارت کر دیا۔“

پچھلے یہ بات گزر چکی کہ نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین پر کسی اور فلسفے، طریقے، راستے، قانون، نظام، ضابطے یا طرز حیات کو ترجیح دینا کفر ہے۔ جس کا لازمی تقاضا ہے کہ ہر معاملے میں انسان کو نبی ﷺ کے چھوڑے ہوئے دین اور شریعت کی جانب ہی رجوع کرنا ہے۔ ہدایت کیلئے اسی کی جانب رخ کرنا ہے اور فیصلہ ایک نبی کی شریعت سے ہی چاہنا ہے۔

اب یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ آدمی جب نبی کی شریعت کی جانب رخ کرے تو اس کو دل سے تسلیم کرتے ہوئے اور اپنے نفس میں اس کی بابت تنگی اور حرج تک نہ محسوس کرتے ہوئے نبی کی لائی ہوئی ہدایت کی طرف رجوع کرے۔
”نہیں اے محمدؐ، تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سرتاسر تسلیم کر لیں۔“

شریعت کی اتباع کے معاملے میں اپنے نفس کی ہر الجھن اور تردد کو ختم کرنے پر محنت تو خیر ہر کسی کو کرنی ہے۔ شریعت کا دل سے پیروکار ہونے کے معاملے میں لوگ درجہ بدرجہ مراتب رکھتے ہیں۔ کوئی نسبتاً کمزور ہے اور کوئی خدا کے فضل سے یقین اور بصیرت رکھنے میں دوسروں سے بڑھ کر ہے۔ البتہ یہ بات کہ آدمی نبی کی لائی ہوئی شریعت کی کسی بات کو برا جانے، اس سے نفرت یا بغض رکھے تو یہ بہر حال کفر ہے اور ایسا آدمی دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ بے شک آدمی دین کی اس بات پر مجبور آیا لوگوں کی دیکھا دیکھی عمل پیرا ہی کیوں نہ ہو۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کسی کو دیندارانہ مظاہر اختیار کئے ہوئے دیکھیں تو برداشت نہیں کر پاتے۔ کسی کو

’پردہ‘ سے چڑ ہے۔ کسی کو نماز بُری لگتی ہے۔ کسی کو ڈاڑھی، تکلیف دیتی ہے۔ کسی کو دعوت الی اللہ یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ایسے شعائر دین سے اذیت ہوتی ہے۔ کسی کو جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کی بات اچھی نہیں لگتی اور وہ ان باتوں کے خلاف بغض پالتا ہے۔ کسی کو باطل کی مخالفت اور طاعوت کی مذمت کی جان بُری لگتی ہے۔ عورت کا مرد کی نسبت میراث میں نصف حصہ پانا یا خاص معاملات میں دو عورتوں کی گواہی کا ایک مرد کی گواہی کے برابر ہونا یا اسلام میں مرد کیلئے اصولاً چار شادیوں کی گنجائش ہونا وغیرہ وغیرہ..... یہ سب یہاں کے بہت سے پڑھے لکھوں کیلئے باعث تکلیف و اذیت ہے۔ جبکہ ان سب باتوں کا دین ہونا اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کا حصہ ہونا معلوم حقیقت ہے۔

چنانچہ دین کی کسی بات سے آدمی کو چڑ ہونا یا اس پر آدمی کا جزبہ ہونا، اسلام کے کسی معلوم امر کو دیکھ کر یا دین کی کسی بات کا سن کر آدمی کا اس پر تمللا اٹھنا اور دین کے کسی مسئلہ یا شعبہ سے آدمی کو نفرت یا بغض ہونا کوئی چھوٹا موٹا گناہ نہیں۔ یہ صاف صاف کفر ہے اور نو آفص اسلام میں شمار ہوتا ہے۔

بے شک دین کی کسی بات پر آدمی کسی وجہ سے نہ بھی عمل کر پایا ہو البتہ یہ کہ وہ دین کی اس بات سے خار کھانے لگے، یہ ایمان کیلئے حد درجہ خطرناک ہے۔ دین کی کسی بات، دین کی کسی حقیقت یا دین کے کسی مظہر پر آدمی جملے بھنے اور اذیت محسوس کرے تو یہ دین کے ساتھ کفر ہے اور ایسا کرنے سے آدمی دین سے خارج ہو جاتا ہے۔

البتہ اس معاملے میں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے:

(۱) آدمی کو دین کی کسی بات سے چڑ ہونا ایک چیز ہے اور دین کی کسی بات پر عمل پیرا شخص سے اس کے کسی غلط رویے یا طرز عمل کے باعث چڑ جانا اور چیز۔ بعض لوگ ان دو باتوں کو خلط کر بیٹھتے ہیں اور اس کے باعث دوسروں پر حکم لگانے یا ان کی بابت رائے قائم کرنے میں زیادتی کر لیتے ہیں۔

اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی کو بغض تو ہودین کی بات سے یا رسول اللہ ﷺ کی کسی معلوم سنت یا حکم سے مگر وہ اپنی اس نفرت اور کدورت کو چھپا اس بات کے پردہ میں رہا ہو کہ وہ تو کسی شخص یا گروہ کے، اپنے تئیں، غلط طرز عمل پر برہم ہے نہ کہ فی نفسہ دین کی اس بات پر۔ اب اگر وہ ایسا کر رہا ہے تب بھی ہم بہر حال اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ نفاق ہوگا اور گویہ کفر کی بدترین صورت ہے اور ایسا آدمی خدا کے نزدیک کافر ہی شمار ہوگا مگر اس پر پکڑ کر ناب بندوں کا کام نہ رہے گا۔ ہم بہر حال اس کے ظاہر پر ہی حکم لگانے کے مجاز ہوں گے۔ گویا آدمی کا نفاق چھپ نہیں پاتا (وتعرفهم فی لحن القول۔ سورہ محمد) اور اپنے لہجے سے یہ شخص بہت جلد بتا دیتا ہے کہ اندر کس قدر نفاق بھرا ہوا ہے مگر اس پر حکم بہر حال اس کے کسی بیان پر ہی لگ سکتا ہے یا پھر اس کی کسی ایسی حرکت پر جس سے اس کا دین کی کسی بات سے بغض اور کینہ اس دو ٹوک انداز میں واضح ہوتا ہو کہ کسی تاویل کی گنجائش نہ رہے۔ بصورت دیگر اس کا

معاملہ خدا پر چھوڑ رکھا جائے گا۔

مسلم معاشرے میں منافقین کا ایک ایسا طبقہ پایا جاسکتا ہے جو اپنی بات کے اندر ظاہری طور پر کسی کو پکڑائی نہ دے اور دین کے خلاف یا دین کے کسی شعبہ کے خلاف اپنا بغض چھپا کر رکھنے میں کامیاب رہے۔ ایسے منافقین ہو سکتے ہیں جو نہ تو صاف چھپیں اور نہ کھل کر سامنے آئیں۔ ایسے لوگوں پر کوئی حکم لگائے بغیر ان کو خدا سے ڈرانا اور ان کو یہ اندازہ کر دینا کہ ان کو محض ایک ایسی سہولت دی گئی ہے جس سے منافقین مستفید ہو سکتے ہیں اور جس کا وبال ان پر کھلے کفر کی نسبت کہیں بڑھ کر پڑ سکتا ہے..... اور یوں ان کیلئے قول بلیغ کہنے پر اکتفا کرنا ہی ضروری ہے۔

(۲) آدمی کا دین کی کسی بات پر برہم ہونا ایک چیز ہے اور دین کی اس بات کی بابت کسی کے فہم سے شکی ہونا ایک دوسری چیز۔

مثلاً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین کے معروف شعائر میں سے ایک ہے کوئی اس سے بغض رکھتا ہے تو صریحاً کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ امر بالمعروف اور نہی المنکر کی بابت کسی خاص شخص یا گروہ کے مفہوم پر برہم ہے یا اس سلسلہ میں اس خاص شخص یا گروہ کے طریق کار یا طرز عمل پر معترض ہے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ معاملہ مختلف ہوگا۔ یہی معاملہ دیگر شعائر اسلام کا ہے۔

ضرور یہاں بھی وہ احتمال پایا جاسکتا ہے جو پیچھے ہم نے ذکر کیا۔ یعنی آدمی کو بغض تو ہو اسلام کے کسی عقیدہ یا شعار سے مگر وہ اپنے بغض کو چھپائے اس بات کے پردہ میں کہ اس کو تو بس کسی شخص یا گروہ کے فہم پر اعتراض ہے یا کسی کے طرز استدلال سے شکایت ہے۔ پس اگر وہ کوئی ایسی تاویل کرتا ہے تو بھی اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دینا ہی درست طریق کار ہوگا۔

گویہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ چونکہ اسلام کے بہت سے شعائر کی غلط تفسیر اور تفہیم بھی بکثرت ہوئی ہے لہذا اس بات کا امکان بہر حال پایا جاتا ہے کہ آدمی کو شکایت واقعتاً کسی کے طرز استدلال سے ہو نہ کہ دین کے کسی معروف حکم سے۔ بہر حال یہ تاویل کا باب ہے اور تاویل تکفیر کے موانع میں سے ایک مانع ہے۔ یعنی کوئی آدمی اگر دین کی کسی بات کو صاف رد نہیں کرتا بلکہ اپنی بات کی توجیہ میں کوئی تاویل کرتا ہے تو اس پر کفر کا حکم لگا دینے میں احتیاط کی جائے گی۔

اس بات کو نظر انداز کر دینے سے بھی بہت سے فتنے جنم لے سکتے ہیں۔ بعض لوگ پہلے دین کے کسی شعار کا ایک خاص گروہی مفہوم اپناتے ہیں مثلاً دعوت یا امر بالمعروف یا جہاد یا خلافت وغیرہ کی بابت۔ پھر ہر وہ شخص جو ان کے اس مفہوم یا منہج پر کوئی تنقید یا طعن و تشنیع یا اس پر کوئی مخالفانہ رد عمل اختیار کرتا ہے اس کو یہ دین ہی کا مخالف سمجھ لیتے

ہیں۔ چنانچہ دین کے کسی شعار کی بابت اپنے فہم پر ہونے والی تنقید یا تشنیع کو یہ دین کے اس شعار پر طعن و تشنیع کیا جانے پر ہی محمول کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ یہ جھگڑا جو دو گروہوں کے فہم دین کے مابین ہوتا ہے یا یوں کہیے یہ نزاع جو اسلام کے کسی شعار کی تفسیر کرنے کے معاملے میں دو گروہوں کے مابین پایا جاتا ہے اس کو دونوں طرف سے یا کسی ایک طرف سے شعائر اسلام ہی کی مخالفت اور مخالفت پر محمول کر لیا جاتا ہے۔ یوں 'اپنے' مخالف کو 'دین' کا مخالف باور کرایا جاتا ہے۔ پھر جب کوئی 'دین' کا مخالف باور کر لیا گیا ہو تو پھر اس کے خلاف سب کچھ کہنا روا کر لیا جاتا ہے۔

پس اس قاعدہ کا اطلاق وہاں ہوگا جہاں یہ امکان نہ ہو کہ شعائر دین کے فہم و تفسیر میں آدمی کو ٹھوکر لگی ہے۔ ”رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی کسی بات سے بغض اور نفرت“ کے مظاہر موجودہ دور میں دیکھنا ہوں تو وہ آپ کو یہاں کے لادین اور نام نہاد ترقی پسندوں کے ادب اور کلام میں بکثرت دیکھنے کو ملیں گے۔ جس قدر ان لوگوں کے ہاں دین اور دینی عقائد اور دینی مظاہر کا احتقار پایا جاتا ہے اتنا کسی اور کے ہاں نہیں۔ گو سماجی معنی میں یہ لوگ اپنے آپ کو ’مسلمان‘ بھی کہتے ہیں!



نواقض اسلام

(وہ باتیں جن سے آدمی مسلمان نہیں رہتا)

(3)

(حامد کمال الدین)

چھٹی بات جس سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے:

وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کے دین کی کسی بات یا ان کے ذکر کردہ کسی ثواب یا عذاب کا مذاق

اڑائے، کافر ہو جاتا ہے۔

قرآن سے اس کی دلیل یوں ملتی ہے:

(التوبة: ۶۵، ۶۶)

”ان سے کہو کیا تم ہماری ہنسی دل لگی اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ہی کے ساتھ تھی!

اب عذرات نہ تراشو، تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔“

ہمارے یہاں جنت اور جہنم کے بارے میں ایسے لطیفے اور چٹکے بیان کرنے کا رواج عام ہے جن سے خدا

کے عذاب یا خدا کی رضا و خوشنودی کی اہمیت کم ہوتی ہو یا جن سے یہ تاثر ابھرتا ہو کہ _____ معاذ اللہ _____ یہ تو بس ایسے

ہی ڈراوے ہیں یا یہ کہ دل کے خوش رکھنے کو یہ خیال اچھا ہے۔

جنت اور جہنم اور عذاب قبر وغیرہ ایسے موضوعات کی جو ایک بیہت دلوں پر بٹھائی جانا دین میں مقصود ہے اور اس

حد تک مطلوب ہے کہ ان کے ذکر پر ایمان والوں کی آنکھیں اشکبار ہو جایا کریں..... ان موضوعات کو شیاطین جن و انس ہنسی اور دل گلی کا ذریعہ بنادیتے ہیں۔

عقائد اور غیبات کو مذاق اور شغل کا موضوع بنانا گو ہمارے معاشروں میں کسی نہ کسی حد تک پہلے سے ہے مگر اس کا زیادہ رواج مغرب سے آیا ہے۔ وہاں چونکہ حق ویسے ہی دستیاب نہیں رہا لہذا ایمان بالغیب ان لوگوں کے ہاں بڑی حد تک ’ڈھکونسلے‘ کے مترادف ہے۔ جنت، جہنم اور فرشتوں وغیرہ کو لوگ وہاں مانتے بھی ہیں تو واجبی حد تک اور ایک روایتی انداز میں اور کچھ سماجی محاوروں کے طور پر۔ مغربی ادب میں ’عقیدہ‘ چونکہ ’مزاح‘ کیلئے ایک اچھا اور دلچسپ مواد کا درجہ رکھتا ہے اور لطیفوں کا موضوع بنتا ہے اس لئے ہمارے ہاں بھی ایسے ’ادب‘ کی کچھ نہ کچھ در آمد ہوئی ہے۔ بہت سے لطیفے تو مغربی زبانوں سے حرف بہ حرف ترجمہ ہوتے اور اخبارات و جرائد میں عام چھپتے ہیں۔ ایک مسلمان کو اس بات سے شدید طور پر خبردار رہنا چاہیے۔

آدمی معاذ اللہ کتنا بھی گناہگار کیوں نہ ہو، خدا اور رسول کی طرف سے آئی ہوئی بات کا احترام، اس کی تعظیم اور اس کا ایک تقدس دل میں محسوس کرنا مسلمان ہونے اور مسلمان رہنے کیلئے حد درجہ لازم ہے۔ محمد ﷺ کی بتائی ہوئی ہر بات ایک غایت درجہ کا تقدس اور ناموس رکھتی ہے۔ ایک مسلمان کا رویہ اپنے نبی کے حوالے سے بتائی گئی بات کے معاملے میں مغرب کے ایک عام فرد کی نسبت، جو وہ اپنے سنے سنائے مذہب کے ساتھ روا رکھتا ہے، بہت مختلف ہونا چاہیے۔ دین کے کسی معلوم عقیدہ یا شعار کو مذاق یا تمسخر کا موضوع بنادیا جائے اور آدمی اس پر ایمانی غیرت محسوس نہ کرے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ ایمان سرے سے ہے نہیں۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ”ان الرجل لیتکلم بالکلمۃ ما یری ان تبلغ حیث بلغت یھوی بها فی النار سبعین خریفاً“ (رواہ احمد)
ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”آدمی منہ سے کوئی ایسی بات بول دیتا ہے جو وہ نوبت اختیار کرتی ہے کہ (بولتے وقت) خیال تک نہیں ہوتا مگر وہ اس کے باعث جہنم کے اندر ستر سال گہرے کھڈ میں جا گرتا ہے“۔ (مسند احمد)
رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی کسی بات، کسی حکم، کسی عقیدہ یا کسی شعار کا مذاق اڑانا، بھٹھہ کرنا اور تمسخر کا طریقہ اپنانا بلاشبہ ایک کفریہ طرز عمل ہے۔

کسی کی نماز کا مذاق اڑانا، کسی کے پردہ پر چوٹ کرنا یا دینداری کے دیگر مظاہر پر پھبتی کسنا، لوگوں کو ان

باتوں پر ہنسنا اور یوں بالآخر دین کے احکام پر عمل پیرا ہونے کو معاشرے میں ایک شرم اور عار کی بات بنا دینا بہت سے لوگوں کیلئے ایک شغل کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ صریحاً کفر ہے۔

دین کے کسی عقیدہ یا مظہر کا استہزاء آدمی زبان سے کرے یا ہاتھ کے اشارے سے یا حتیٰ کہ آنکھ مار کر یا جسم کی کسی حرکت سے..... یہ خدا اور رسولؐ کے ساتھ کفر ہے۔ اسی وجہ سے قرآن میں ہمز اور لمز اور غمز کرنے والوں کو بربادی کی وعید سنائی گئی ہے (ویل لكل همزة لمزة) ^(۱) (واذا مروا بهم يتغامزون) ^(۲) ایک طرف کفار کا یہ حال بیان کیا گیا ہے تو دوسری طرف منافقین (جو کہ باطن میں کافر تھے) کی بابت قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ وہ صحابہؓ کی دینداری کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور اللہ اور رسولؐ سے ان کی وفاداری اور اطاعت گزاری پر نفرت چست کیا کرتے تھے۔ یہ بات ان کے ایک بڑے جرم کے طور پر قرآن میں بیان ہوئی ہے (قالوا انؤمن کما آمن السفهاء) ^(۱) بسا اوقات صحابہؓ کا دین سے تمسک اور اخلاص ان کے مذاق کا نشانہ بنتا اور وہ طرح طرح سے اس بات پر ان کی تضحیک کرتے۔ البتہ تنبیہ کئے جانے پر کہنے لگتے۔ یہ تو ہم ویسے ہی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ قرآن میں ان کو بتایا گیا کہ یہی تو دراصل تمہارا کفر ہے:

(التوبة: ۶۳-۶۶)

”ان سے کہو: ”کر لو مذاق، اللہ اس چیز کو کھول دینے والا ہے جس کے کھل جانے سے تم ڈرتے ہو“ اگر ان سے پوچھو کہ تم کیا باتیں کر رہے تھے تو جھٹ کہہ دیں گے کہ ہم تو ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ ان سے کہو ”کیا تمہاری ہنسی دل لگی اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسولؐ ہی کے ساتھ تھی؟ اب عزرات نہ تراشو، تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔“

اس آیت کی تفسیر کے تحت امام ابن کثیرؒ تین روایات ذکر کرتے ہیں:

(۱) ابن اسحاقؒ کہتے ہیں: منافقین کی ایک جماعت جس میں ودیعہ بن ثابت اور خشی بن حمیر اشجعی شامل تھے، تبوک کی مہم میں رسول اللہ ﷺ کی شریک سفر تھی۔ یہ مسلمانوں کو بدکانے اور ان کے حوصلے پست کرنے کیلئے کہہ رہے تھے: ”کیا تم نے رومیوں کے ساتھ جنگ کو عمر بوں کی آپس کی مار دھاڑ جیسا سمجھ رکھا ہے کل دیکھ لینا تم لوگ رسیوں میں بندھے پڑے ہو گے۔“ تب خشی بن حمیر بولا: ”مزا ہو جو اوپر سے سو سو کوڑے بھی پڑیں.....“ تب رسول اللہ ﷺ نے عمار بن یاسرؓ کو ان سے پوچھنے کیلئے بھیجا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے اور اگر انکار کریں تو کہنا ہاں تم نے یہ یہ کہا ہے۔ عمارؓ ان کے پاس گئے اور ان کو رسول اللہ ﷺ کی بات پہنچائی۔ تب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس معذرت کرنے آئے جبکہ آپؐ سواری پر

تشریف فرما تھے۔ ربیعہ بن ثابت رسول اللہ ﷺ کی سواری کے رے کو پکڑے ہوئے کہہ رہا تھا: ”یا رسول اللہ ﷺ ہم تو بس ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے“.....

(۲) قتادہؓ کہتے ہیں: منافقین کی ایک جماعت غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کی ہمرکاب تھی تب وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہنے لگے: ”ان صاحب کو خیال ہوا ہے کہ یہ روم کے محلات اور قلعے فتح کر آئیں گے، پر کہاں!“ اللہ نے اپنے نبی کو اس کی خبر کر دی۔ تب آپؐ نے فرمایا ”ان کو میرے پاس لاؤ“۔ آپؐ نے ان کو طلب فرمایا اور ان کو بتایا کہ تم نے یہ باتیں کی ہیں تب وہ قسم اٹھا کر کہنے لگے ”ہم تو بس ہنسی اور دل لگی کر رہے تھے“۔

(۳) محمد ابن کعب قرظیؓ (عبداللہ بن عمرؓ اور بعض دیگر صحابہؓ) روایت کرتے ہیں: منافقین میں سے ایک شخص نے کہا: ”یہ جو اپنے قرآن پڑھنے والے ہیں ہم نے تو ان جتنا پیٹ کا حرص، زبان کا جھوٹا اور معرکہ کے وقت بزدلی دکھانے والا کوئی نہیں دیکھا۔ ان کا اشارہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ان اصحاب کی جانب تھا جو کہ (خاص) حاملین قرآن تھے۔ تب عوف بن مالک نے اس سے کہا: جھوٹے تم ہو۔ میں رسول اللہ ﷺ کو (تمہاری بات) بتا کر رہوں گا۔ عوفؓ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر کرنے گئے مگر دیکھتے ہیں کہ ان سے پہلے آپؐ پر قرآن نازل ہو چکا ہے۔ تب وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جبکہ آپؐ نے کوچ کر لیا تھا اور اپنی اونٹنی پر سوار ہو چکے تھے۔ وہ شخص کہنے لگا: ہم تو ہنسی کھیل کرتے اور سفر میں شغل کی باتیں کرتے جا رہے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں: مجھے اب بھی گویا وہ شخص ایسے ہی نظر آ رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے پیٹ پر لپٹے رے کے ساتھ لٹکا پتھروں پر گھسٹا جا رہا ہے اور کہتا جا رہا ہے: ہم تو بس مذاق کر رہے تھے، اور رسول اللہ ﷺ اس کو جواب دیتے جا رہے ہیں! اے اللہ و اے اساتذہ و رسولہ..... ”کیا خدا کے ساتھ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ ہی تمہاری ہنسی دل لگی تھی۔ اب عذرات نہ تراشو، تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے“۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر بسلسلہ سورۃ التوبہ آیت ۶۵، ۶۶)

لا تعذروا قد کفرتم بعد ایمانکم

”اب عذرات نہ تراشو تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے“۔

یہ آیت اس موضوع پر صریح ہے کہ امور دین کے ساتھ مذاق کرنے والا انسان صاف صاف کفر کا مرتکب

ہوتا ہے۔

صرف یہی نہیں کہ دین کے کسی عقیدہ یا کسی شعار یا کسی مظہر پر چھٹی کسنا اور فقرے چست کرنا کفر ہے اور

آدمی کو دین اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ بلکہ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ جو شخص دین کے ساتھ استہزاء ہوتا دیکھے اور ایسی

بات ٹھنڈے پیٹوں سن لے اور ایسی مجلس میں شریک رہے اس کا بھی وہی حکم ہے جو کہ دین کا استہزاء کرنے والا کا۔
فرمایا:

وقد نزل عليكم في الكتب أن إذا سمعتم آيات الله يكفربها ويستهزأ بها فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا في حديث غيره انكم اذا مثلهم (النساء: ١٣٠)

”اللہ اس کتاب میں تم کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر ہو رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہاں نہ بیٹھو جب تک کہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔ اب اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم بھی انہی کی طرح ہو۔“

اس لحاظ سے دیکھیے تو نو اقتض اسلام کا چوتھا، پانچواں اور چھٹا بندل کرا ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں۔ یعنی محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین پر کسی اور ضابطے، قاعدے، قانون یا فلسفے اور نظریے کو ترجیح دینا کفر۔ پھر محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین پر عمل پیرا ہوتے ہوئے بھی آدمی اس کی کسی بات سے خار کھائے یا اس کے خلاف بغض پالے تو کفر۔ اور پھر محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین کی کسی بات کی تضحیک کرے تو کفر۔

پھر آخری بند میں آپ دیکھیں گے کہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے آدمی مطلق اعراض برتے تو کفر۔

□□□□□□

ساتویں بات جس سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے

ساتویں بات جس سے انسان کفر کا مرتکب ہوتا ہے جادو ہے۔ جادو میں محبت کے ٹونے بھی آتے ہیں اور کسی محبت سے دل پھیرنے کے بھی، سو جو یہ کام کرے یا اس پر راضی ہو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ قرآن میں اس کے کفر ہونے کی دلیل یہ ہے۔

(البقرة: ١٠٢)

”حالانکہ وہ (فرشتے) جب بھی کسی کو اس کی تعلیم دیتے تھے تو پہلے صاف طور پر متنبہ کر

دیتے تھے کہ دیکھ ہم محض ایک آزمائش ہیں، تو کفر میں مبتلا نہ ہو۔

نواقض اسلام کے اس ساتویں شعبے میں تو ہم پرستی پر مشتمل کفریات اور شرکیات سب آ جاتی ہیں۔ جادو کرنے اور کرانے والا شخص بلاشبہ کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایسا آدمی اپنی آخرت برباد کر لیتا ہے..... الا یہ کہ وہ اس سے تائب ہو جائے۔

عامل سنیا سی ہمارے شہروں بازاروں میں جگہ جگہ بیٹھے نظر آئیں گے۔ ان کے پاس ضعیف الاعتقاد لوگوں کے ٹھٹھے لگے ہر وقت دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ صریحاً کفر اور جاہلیت کے مظاہر ہیں۔

بہت سے لوگ ان طاغوتوں کے پاس جاتے ہیں۔ ’عمل‘ کرتے بھی ہیں اور کرواتے بھی ہیں۔ عامل لوگ بسا اوقات اس کو جادو کا نام نہیں دیتے۔ یا تو اس لئے کہ جادوؤں نے کالفظ بدنام ہو گیا ہے اور یا پھر اس لئے کہ جادو کا گناہ ہونا ہر کس و نا کس کو معلوم ہے لہذا وہی کام اب کسی اور نام سے کیا جائے۔

بہت سے لوگ جادو تب سمجھتے ہیں جب ان کے خیال میں وہ کالاعلم ہو۔ کسی اور نام سے شیطانی عمل جتنا مرضی ہوتا رہے وہ اس کو ’سفید علم‘ کے نام سے قبول کر لیتے ہیں حتیٰ کہ اس کو شرعاً حرام کہنے سے بھی اتفاق نہیں کرتے۔ یوں نام بدل بدل کر عامل ان کو گمراہ کرتے ہیں۔

یہ گمراہ عامل ایسے بد بخت ہیں کہ بسا اوقات یہ قرآنی آیات کو الٹی ترتیب سے لکھ کر یا پھر قرآنی آیات کو اپنے جادو کے اعداد یا زاپچوں کے ساتھ خلط کر کے لوگوں کو کہتے ہیں کہ ان کو قرآنی تعویذ دیئے گئے ہیں۔

علاوہ ازیں نجومی جو قسمت کا حال بتاتے ہیں وہ بھی جادو گروں کے حکم میں آتے ہیں۔ یہ ستاروں پر مشتمل زاپچے بنا کر اور تاریخ پیدائش وغیرہ کا حساب رکھ کر لوگوں کو غیب کی خبریں اور قسمت کا حال بتاتے ہیں۔ امام محمد بن عبد الوہابؒ اپنی کتاب التوحید میں باب ۲۴ میں شیء من انواع السحر کے تحت یہ حدیث لے کر آتے ہیں:

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ:

”من اقتبس شعبة من النجوم، فقد اقتبس شعبة من السحر، زاد ما زاد“ (رواہ ابوداؤد و

إسناده صحيح)

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو آدمی نجوم کا کوئی شعبہ اپناتا ہے وہ دراصل جادو کا ایک شعبہ اختیار کرتا ہے اور اگر زیادہ تو زیادہ

(شعبے)۔“

چنانچہ یہ سب دھندے نواقض اسلام میں آتے ہیں۔ ان کا گاہک بن کر آدمی مسلمان نہیں رہتا۔
 ”اور (یہ کفر کرتے وقت) انہیں خوب معلوم تھا کہ جو اس چیز کا خریدار بنا، اس کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔“ (البقرہ: ۱۰۲)

ستاروں اور برجوں کا علم اور قسمت کا حال جو اخبارات و جرائد میں یوں بے تحاشا لٹھکایا جاتا ہے..... یہ محض کوئی پرانی طرز کے ضعیف الاعتقاد، دقیانوسی اور ان پڑھ جاہلوں کا امتیاز نہیں۔ اتنی سی ’ایمانیات‘ کی گنجائش ’جدید‘ لوگوں کے ہاں بھی رکھی گئی ہے! مغربی اصطلاحات جاننے والے نجومی اب ’پروفیسر‘ کہلاتے ہیں!

آپ کے یہاں کا شاید ہی کوئی اخبار یا میگزین ہو جو آپ کا آئندہ ہفتہ کیسا گزرے گا، کے عنوان کے تحت ایسے کسی نجومی یا پروفیسر پر شیطان کی اتاری ہوئی وحی بڑی باقاعدگی سے شائع نہ کرتا ہو۔ اخبارات و جرائد کو ظاہر ہے جدید پڑھے لکھے چلاتے ہیں۔ ’آئندہ ہفتہ والا صفحہ پڑھنے میں بہت سے جدید تعلیم یافتہ بھی اتنی ہی دلچسپی لیتے ہیں جتنی کہ ان پڑھ اور ’پسماندہ‘ لوگ۔ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ یہ نجوم اور برجوں پر مشتمل ’قسمت کا حال‘ ہمارے یہاں کے اخبارات و جرائد کا مستقل حصہ کیوں ہے؟ کیونکہ مغرب کے اخبارات و جرائد بھی شیطان کی اس وحی کے شائع کرنے کا باقاعدہ اہتمام کرتے ہیں۔ وہ چھوڑ دیں تو شاید یہ بھی اس پر کچھ بہت زیادہ اصرار نہ کریں گے!

خدا کی آزمائش کہ بعض لوگوں کو ’نجوم‘ کی دی ہوئی مستقبل کی خبروں میں کبھی کوئی چیز سچ نظر آ جاتی ہے تو آدمی جتنا مرضی پڑھا لکھا ہو وہ ان کی تصدیق پر مائل ہونے لگتا ہے..... اور شیطان کے چنگل میں پھنس جاتا ہے۔

خدائے واحد پر ایمان کی مٹھاس اور یقین کی ٹھنڈک اور توکل کا لطف صرف ایک موحد لے سکتا ہے۔

□□□□□□

آٹھویں بات جس سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے

آٹھویں بات جس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے وہ ہے مشرکوں کی نصرت اور پشت پناہی کرنا۔ یا مسلمانوں کے خلاف انکی معاونت کر دینا۔
 قرآن میں اس کی دلیل یہ ہے۔

ومن يتولهم منكم فانه منهم ان الله لا يهدي القوم الظالمين (المائدہ: ۵۱)

”اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی انہی میں ہے یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے“۔

دین اور امت کا غدار بے شک نماز روزہ کرتا ہو، کافر ہو جاتا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کا وفادار بن کر رہنا اور اللہ و رسول اور اس اُمت کے دشمن سے دشمنی رکھنا ایمان کا بنیادی فرض ہے۔

اسلام محض عقائد یا نماز روزہ ایسی عبادات کا مجموعہ نہیں۔ حتیٰ کہ یہ محض کوئی سیاسی اور معاشی ہدایات پر مشتمل سماجی نظام بھی نہیں۔ اسلام دراصل انسان کی وفاداریوں کا تعین بھی ہے اور اس کے تعلقات کی حدود کا دائرہ بھی۔

تعلق اور وفاداری اور مدد و نصرت کے معاملہ میں بھی ایمان کو امتحان درپیش رہتا ہے۔ کفار جو اسلام اور اہل اسلام سے برسرِ جنگ ہوں یا دین اسلام کے خلاف یا اس کی کامیابی کے خلاف بغض رکھتے ہوں ایک مسلمان کیلئے دشمن ہی کا درجہ رکھتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو آدمی کو اپنے ایمان کی فکر ہو جانی چاہیے۔

اسلام اور توحید کے دشمنوں سے دلی ہمدردی رکھنا، یا مسلمانوں کے خلاف ان کی فتح مندی چاہنا، یا مسلمانوں کے خلاف ان کی نصرت اور اعانت کرنا، یا حتیٰ کہ مسلمانوں کے خلاف محض ان کا حلیف بن کر رہنا صریحاً کفر ہے۔ ایسا کرنے کے بعد آدمی دائرۃ اسلام میں نہیں رہتا۔

بنابریں ہر وہ اتحاد alliance (تحالف) جو کسی مسلم ملک یا مسلم قوت یا مسلم جماعت کے خلاف آمادہ جنگ ہو اس کا حصہ بننا، اس کی معاونت کرنا، اس کا پرچم اٹھانا، اس کیلئے جاسوسی کرنا یا مسلمانوں کے خلاف کسی بھی طرح اس کی مہم آسان کرنا آدمی کو دائرۃ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

اوپر ذکر ہونے والی سورہ مائدہ کی آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر کہتے ہیں:

”یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ان یہود و نصاریٰ کے ساتھ مواصلات رکھنے سے جو کہ اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں، ممانعت فرمائی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ (یعنی یہودی اور عیسائی) آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے والوں کو تنبیہ اور وعید فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا و من یتولہم منکم فانہ منہم یعنی ”جو تم میں سے ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہی میں سے ہوگا“۔

یہاں تک کہ امام ابن کثیر اس آیت کے ذیل میں حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ آپؐ نے

ابوموسیٰ الاشعرؓ (والی بصرہ) کو اس بات پر سرزنش فرمائی کہ انہوں نے ایک عیسائی انشا پر داذ کو محض اس کی صلاحیتوں کو دیکھ کر اپنا مکتوب نگار کیوں رکھ لیا اور اپنی اس بات کی تائید میں یہ آیت پڑھی یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الیہود والنصارى اولیاء..... یعنی: ”اے اہل ایمان تم یہود اور نصاریٰ کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ یہ آپس میں ہی ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی انہی میں ہے“ پھر فرمایا اس کو نکال دو۔ (ملاحظہ فرمائیے تفسیر ابن کثیر بابت سورۃ المائدہ آیت ۵۱)

سورۃ مائدہ کی اس آیت کے سلسلہ میں امام ابن جریر طبریؒ مفسرین کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

”اس آیت کا اشارہ (صحابی رسول) عبادہ بن الصامتؓ اور (رئیس المنافقین) عبداللہ بن ابی بن سلول کی طرف ہے جب عبادہ بن الصامت نے یہود کا حلیف رہنے سے دستبرداری کا اعلان کر دیا مگر عبداللہ بن ابی نے یہود کے ساتھ اپنا تحالف برقرار رکھا جبکہ یہود کی اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ عداوت ظاہر ہو چکی تھی۔“

طبریؒ ایک دوسری روایت لاتے ہیں کہ:

جب بنو قینقاع (ایک یہودی قبیلہ) نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کر لی تو عبداللہ بن ابی پھر بھی ان سے تعلق برقرار رکھنے پر مصر رہا اور ان کے تحفظ کیلئے کھڑا رہا۔ جبکہ عبادہ بن الصامتؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے آئے۔ یہ (عبادہ) بنی عوف بن خزرج سے تھے جو کہ اس سے پہلے تک بنو قینقاع کے اسی طرح حلیف ally تھے جس طرح کہ عبداللہ بن ابی۔ عبادہ ابن الصامتؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر یہود سے اپنے تحالف alliance کو ختم کرنے اور اللہ اور رسولؐ کی خاطر ان سے برأت و بیزاری کا اعلان کیا اور کہا: اے اللہ کے رسولؐ میں اللہ اور رسولؐ کی خاطر ان کے ساتھ اپنے عہد سے دستبردار ہوا اور اللہ اور رسولؐ ہی کا حلیف اور مددگار ہوا۔ میں کفار کا حلیف اور رفیق ہونے سے بیزار ہوتا ہوں“ تب عبادہ بن الصامتؓ اور عبداللہ بن ابی کے معاملہ میں سورۃ المائدہ کی یہ آیات نازل ہوئیں..... (دیکھیے تفسیر طبری بسلسلہ سورۃ المائدہ آیت ۵۱)

□□□□□□

نویس بات جس سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے

وہ شخص جو یہ اعتقاد رکھے کہ بعض افراد محمد ﷺ کی شریعت کی تابعداری سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں

جیسا کہ خطرموسیٰ کی شریعت سے خروج کر لینے میں آزاد تھے، ایسا شخص بھی کافر ہے۔

ومن یتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منه وهو فی الآخرة من الخاسرین
(آل عمران: ۸۵)

”اس اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔“

زمین پہ بسنے والا ہر ذی ہوش خواہ وہ جن ہے یا انسان، محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا مخاطب ہے اور اسی کا مکلف۔ وہ کوئی حاکم ہے یا محکوم، امیر ہے یا غریب، صاحب کرامت ولی ہے یا کوئی عام انسان..... ایک ایک بات میں وہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا مطیع اور فرمانبردار ہو کر رہنے کا پابند ہے۔ جو آدمی محمد ﷺ کی شریعت کو ہر کسی کیلئے واجب اطاعت نہیں مانتا، کافر ہو جاتا ہے۔

بعض لوگوں نے شریعت اور طریقت کی اپنے تئیں کوئی خاص تقسیم کر رکھی ہے۔ شریعت ان کے خیال میں ان عام انسانوں کیلئے ہے جو ولایت کے خاص مرتبے کو نہیں پہنچ پاتے البتہ وہ خاص لوگ جو معرفت کی کسی خاص منزل کو پہنچ جائیں ان کیلئے شریعت کی پیروی واجب نہیں رہتی بلکہ ان کے خیال میں وہ اس بات سے بے نیاز ہو جاتے ہیں کہ وہ قرآنی آیات اور نبوی احادیث میں اپنے لئے حلال و حرام اور فرائض و محرمات کے احکام دیکھیں۔ چنانچہ اس عقیدہ کی رو سے شریعت کے احکامات ان لوگوں کیلئے ہیں ہی نہیں۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے دائرہ اسلام میں نہیں رہتے۔

بہت سے بد بخت اپنے دعوائے ولایت کے گھمنڈ میں یا لوگوں پر محض اپنی ’ولایت‘ کا رعب ڈالنے کیلئے نماز روزہ وغیرہ ایسی عبادات کے روداد نہیں ہوتے۔ مساجد میں جانا اور پانچ وقت عاجزی کے ساتھ پیر سے پیر ملا کر ابو بکرؓ و عمرؓ کی طرح کھڑے ہونا یا اپنی شان کے منافی اور اپنے رتبہ سے فروتر سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کے کفر میں ذرہ بھر شک نہیں۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو خود بے شک پابند شریعت ہوں مگر کسی فقیر یا ولی یا کسی عارف کو اس مرتبہ پر سمجھیں اور اس کیلئے اس بات کی گنجائش پائیں کہ وہ محمد ﷺ کی شریعت کی ایک ایک بات کی اطاعت کا پابند نہیں رہا، کفر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ خدا کی شریعت جو کہ اس نے اپنے رسولؐ پر اتار رکھی ہے، کی پیروی کرنے سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں۔ یوں بھی اللہ کا ولی وہ شخص ہو ہی نہیں سکتا جو پرہیزگار اور شریعت کا پیروکار نہ ہو۔

ألا ان أولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون الذين آمنوا و كانوا يتقون لهم البشرى
 فى الحياة الدنيا وفى الآخرة (يونس: ۶۳-۶۴)

”سنو جو اللہ کے دوست ہیں ان کیلئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا۔ دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں ان کیلئے بشارت ہی بشارت ہے۔“
 چنانچہ وہ شخص جو شریعت کی پابندی سے اپنے تئیں بے نیاز سمجھتا ہے وہ ولی تو کیا مسلمان بھی نہیں۔ ولی تو ہو ہی وہ شخص سلکتا ہے جو عام انسانوں سے بڑھ کر خدا کی شریعت کا پابند اور خدا سے ڈر کر اور پرہیزگار بن کر رہنے والا ہو۔
 جیسا کہ اوپر کی اس آیت میں اولیاء اللہ کی تعریف کی گئی ہے: الذین آمنوا و كانوا يتقون۔ یعنی ولی وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا۔“

چنانچہ ”طریقۃ“ کا یہ تصور کہ کچھ خواص لوگ شریعت کی پابندی سے مستثنیٰ ہو جائیں ایک ایسا عقیدہ ہے جسے رکھ کر آدمی دائرۃ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ خود صوفیا کے بہت سے طبقے ایسا عقیدہ رکھنے والے کو زندیق اور خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔



جہاں تک خطر کے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے خروج کر لینے کی بات ہے اور جس کو کہ بعض زندیق محمد ﷺ کی شریعت سے خروج کر لینے کی دلیل بناتے ہیں تو اس کی بابت شیخ عبدالعزیز الراحی اپنی ”شرح نواقض الاسلام“ میں کہتے ہیں:

”محمد ﷺ کی شریعت تمام کے تمام جن و انس اور عرب و عجم کیلئے آئی ہے۔ اور پھر یہ کہ محمد ﷺ خاتم المرسلین ہیں تو آپ کی شریعت خاتم الشرائع ہے۔ اس شریعت نے آ کر سب کی سب شریعتیں منسوخ کر دی ہیں۔ محمد ﷺ سب جہانوں کیلئے انذار کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں (لیکون للعالمین نذیراً) سب کے سب انسانوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں (و ارسلناک للناس رسولا و کفی باللہ شہیداً) (قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً).....

ایک مشہور حدیث میں رسول اللہ ﷺ پہلے نبیوں کی نسبت اپنے پانچ امتیاز بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ، وبعثت الی الناس عامۃ یعنی ”مجھ سے پہلے (ایک نبی کو خاص اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا مگر میں عام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں)۔“

چنانچہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ کسی انسان کیلئے محمد ﷺ کی شریعت سے خروج کر لینے کی گنجائش ہے اور یہ کہ وہ محمد ﷺ کی شریعت کے سوا کسی اور طریقے پر خدا کی بندگی کر لینے کا مجاز ہے، تو ایسا اعتقاد رکھنے والا شخص کافر ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ محمد ﷺ کی شریعت عام ہے۔ جن و انس، عرب و عجم سب کیلئے ہے۔ سب کی سب شریعتوں کو منسوخ کرنے آئی ہے۔ نبی ﷺ کی بعثت ہو جانے کے بعد کرہ ارض پر پایا جانے والا ہر شخص اس کا پابند ہے۔ برخلاف موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے جو کہ سب کیلئے نہیں بلکہ خاص بنی اسرائیل کیلئے آئی تھی۔

خضر بنی اسرائیل سے نہ تھے۔ پس خضر کیلئے گنجائش تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی بجائے خدا کی اتاری ہوئی کسی اور شریعت کی پابندی کریں۔

علاوہ ازیں اہل علم کے صحیح تر قول کی رو سے خضر بذات خود نبی تھے جن پر وحی اترتی تھی۔ یہ بات از روئے قرآن ثابت ہے کہ خضر نے جو کیا وہ ان کی اپنی جانب سے نہ تھا (بلکہ یہ خدا کی جانب سے تھا):

وما فعلته عن أمري (الکہف: ۸۲)

”میں نے کچھ اپنے اختیار سے نہیں کر دیا ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر سے علم سیکھنے کیلئے رخت سفر باندھا تھا۔ حدیث میں آتا ہے کہ خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

یا موسیٰ انی علی علم من علم اللہ لا تعلمہ أنت، وأنت علی علم من علم اللہ علمکھ اللہ لا أعلمہ (رواہ البخاری عن ابی بن کعب)

”موسیٰ! خدا کا دیا ہوا کچھ علم میرے پاس ہے جو خدا نے مجھے عطا فرمایا اور تم اس سے لاعلم ہو اور خدا کا دیا ہوا کچھ علم تمہارے پاس ہے جو خدا نے تمہیں عطا کیا ہے اور میں اس سے لاعلم ہوں۔“

□□□□□□

علاوہ ازیں نظام حکم میں بھی کسی کیلئے نبی ﷺ کی شریعت سے خروج روا کر لینے والا شخص اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

کسی ایوان کا یہ حق تسلیم کرنا کہ وہ اکثریت کے ووٹ کی بنیاد پر، اور شریعت کا پابند ہوئے بغیر، انسانوں کیلئے زندگی کا کوئی ضابطہ بنا سکتا ہے اور یہ کہ کسی مخلوق کے پاس کئے ہوئے خلاف شریعت ضابطہ کو قانون کا تقدس حاصل رہ سکتا ہے، ایک کھلا کھلا کفر ہے۔

سیکولرزم پر مبنی یہ عقیدہ کہ کسی معاملہ میں پارلیمنٹ شریعت کو پاس کرے تب نہ کرے تب، ہر صورت میں پارلیمنٹ سے صادر ہونے والی چیز ہی واجب اتباع قانون ہے، صریحاً ایک کفریہ نظریہ ہے۔ بنیادی طور پر یہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت سے خروج کو جواز دینا ہے۔ اس کو درست ماننے والا آدمی بھی زندیق اور خارج از اسلام ہے۔
نبیؐ کی شریعت سے خروج روا رکھ کر آدمی مسلمان کیسا؟

□□□□□□

دسویں بات جس سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے

دسویں بات یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے دین سے اعراض کرے، نہ اس کا علم لیتا ہو اور نہ اس پر عمل کرتا ہو۔

اس کی دلیل بھی قرآن سے ملتی ہے۔

ومن اظلم ممن ذكر بايات ربه ثم اعرض عنها انا من المجرمون منتقمون
(السجدة: ۲۲)

”اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے سے نصیحت کی جائے اور پھر وہ ان سے منہ پھیر لے ایسے مجرموں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے۔“
لوگوں کی ایک کثیر تعداد انقض اسلام کے اس پہلو کی زد میں آ جاتی ہے۔

آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ کفر اکبر (کفر مخرج من الملة) کی پانچ صورتوں میں سے ایک صورت ”کفر اعراض“ ہے۔ یعنی آدمی کا دین کو کسی توجہ اور التفات کے لائق نہ جاننا۔

یہ ایک ایسا آدمی ہے جس کو دین سے دور نزدیک کا کوئی واسطہ ہی نہیں۔ خدا نے کوئی کتاب اتاری ہے یا نہیں، کوئی رسول بھیجا یا نہیں، کوئی چیز حلال ٹھہرائی ہے یا حرام، سب اس کی بلا سے۔ رسول کی آوردہ شریعت اس کی توجہ کبھی لمحہ بھر کیلئے بھی نہیں لے سکی۔ یہ طرز عمل بنیادی طور پر کفر ہے، اور آدمی کو، بے شک وہ کلمہ گو کہلاتا ہو، اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

در اصل یہ محض ایک رویہ اور طرز عمل ہی نہیں۔ گو بطور رویہ و طرز عمل بھی یہ کفر ہی ہے۔ مگر موجودہ دور میں یہ

ایک باقاعدہ نظریہ حیات بھی بن گیا ہے جو کہ دین اسلام سے صاف طور پر متصادم ہے۔

اسی لئے علماء اسلام کہتے ہیں: کوئی شخص ہرگز اگر اللہ کی بندگی نہیں کرتا تو شیطان کی بندگی تو وہ لازماً ہی کرتا ہے۔ ایسا کوئی شخص دنیا میں ہے ہی نہیں جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ وہ کسی بھی چیز کی بندگی نہیں کرتا۔ کوئی شخص ایسا ہو ہی نہیں سکتا جس کے بارے میں تصور کیا جائے کہ اس کا کوئی دین ہی نہیں۔ کسی شخص کا معبود اگر واضح طور پر خدا نہیں تو شیطان ہے۔ کسی شخص کا دین اور طرز حیات اگر اسلام نہیں تو پھر خود بخود کفر ہے۔

بنابرین کسی شخص کی بے دینی اگر اس درجہ کو پہنچتی ہو کہ نہ وہ دین کا کبھی ذرہ بھر علم لے نہ دین کی کسی بات پر عمل کا کبھی زندگی بھر اسے خیال آئے اور نہ وہ زندگی کے معاملات میں رسولؐ سے ہدایت لینے کی کبھی ذرہ بھر ضرورت جانے..... تو ایسا شخص ناقض اسلام کا مرتکب ہے۔

کفر صرف یہی نہیں کہ آدمی کہے میں رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کو یا اس کی کسی بات کو نہیں مانتایا یہ کہ آدمی عملاً اسلام کے خلاف آمادہ جنگ ہو۔ رسولؐ کے لائے ہوئے پیغام کو رد کرنا، ہی کفر نہیں اس پر ایمان نہ لانا، اور اس کو قبول نہ کرنا، بھی کفر ہے۔ اللہ کے ہاں سے رسول پر جو اترا آدمی باقاعدہ انداز سے اس پر ایمان نہیں رکھتا، اس کو دل و زبان سے قبول نہیں کرتا تو مسلمان نہیں۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن رسول الله ﷺ أنه قال:

”والذي نفس محمد بيده لا يسمع بي أحد من هذه الأمة يهودي ولا نصراني ثم

يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به إلا كان من أصحاب النار“ (صحیح مسلم و مسند احمد)

”ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اس دور کے لوگوں میں سے جو یہودی یا عیسائی بھی ایسا

ہو جس نے میرا سن رکھا ہو پھر وہ اس چیز کے ساتھ جسے لے کر میں مبعوث ہوا ہوں ایمان نہ لایا ہو اور اسی حال میں مر گیا ہو لازماً وہ دوزخیوں میں سے ہوگا۔“

چنانچہ آدمی سے صرف یہ مطلوب نہیں کہ رسول ﷺ جس چیز کے ساتھ مبعوث ہوا بس وہ اس کو رد نہ

کرتا، ہو بلکہ اس کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ رسول ﷺ جس چیز کے ساتھ مبعوث ہوا وہ اس پر ایمان لے کر آئے۔ ان دونوں باتوں کے بغیر آدمی مسلمان نہیں۔

آدمی کا بکثرت گناہ کر لینا، حتیٰ کہ کبار کا مرتکب ہونا اور دین کے بہت سے فرائض کا تارک ہونا اور بات

ہے اور ایسا آدمی تو صرف فاسق کہلائے گا مگر یہ کہ آدمی نے دین کو زندگی بھر کبھی توجہ کے لائق ہی نہ جانا ہو اور رسولؐ کی کسی بات، کسی حکم اور کسی ارشاد کی جانب ذرہ بھر التفات کا کبھی روادار نہ ہوا ہو..... آسمانی شرائع کا آنا نہ آنا اس کیلئے ایک برابر ہو تو ایسا آدمی محض فاسق نہیں بلکہ دین اسلام سے خارج ہے۔

اس دسویں ناقض اسلام کی شرح میں شیخ عبدالعزیز بن مرزوف الطریق اپنی رسالہ الاعلام بشرح نواقض اسلام میں لکھتے ہیں:

”نواقض اسلام کی یہ قسم جس سے کہ آدمی کا کلمہ گو ہونا کا عدم ہو جاتا ہے نواقض اسلام کی اس حالت سے چھٹکارا پانے کیلئے یہ کافی نہیں کہ آدمی دین یا نیکی کا بس کوئی سا بھی کام کر لے یا یہ کہ شعبہ ہائے ایمان میں سے کسی نہ کسی بات کا قائل یا فاعل ہو۔ دین یا نیکی کا اگر کوئی ایسا کام ہے جو کافر بھی کر لیتے ہوں اور مسلمان بھی کرتے ہوں تو ایسے کام کے کر لینے سے آدمی کفر اعراض سے باہر نہیں آتا۔ مثلاً پڑوسی کے ساتھ نیک سلوک کر لینا، مہمان کا اکرام، راستے سے کوئی رکاوٹ یا اذیت دور کر دینا، کسی کو دکھ پہنچانے سے پرہیز کر لینا، والدین کے ساتھ نیکی کر لینا یا امانت میں خیانت نہ کرنا۔

آدمی سے کفر اعراض کی یہ صورت اسی وقت دور ہوگی اور وہ اس سے اسی وقت نجات پائے گا جب وہ فرائض دین میں سے کوئی ایسا فرض ادا کرنے لگے جو خاص شریعت اسلام ہی کا امتیاز ہے اور جسے کہ رسول اللہ ﷺ بطور خاص لے کر معبوث ہوئے ہیں۔ مثلاً نماز، زکات، روزہ اور حج وغیرہ۔ ہاں جب وہ اسلام کے ان فرائض میں سے کسی فرض کا التزام کرے اور ایمان اور احتساب کی نیت کے ساتھ اس کی ادائیگی کرنے لگے تب جا کر وہ اس اعراض کی حالت سے باہر آتا ہے جسے کہ نواقض اسلام میں شمار کیا جاتا ہے۔

(ملاحظہ فرمائیے الاعلام بشرح نواقض الاسلام ص ۴۶)

اس کے بعد وہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

”دین کے وہ فرائض جو خاص محمد ﷺ کے ذریعے فرض ٹھہرائے گئے ہیں، آدمی خاص ان فرائض میں سے کوئی ایک بھی فرض ادا نہیں کرتا تو وہ اللہ اور رسولؐ پر ایمان رکھنے والا شاکر نہیں ہوتا۔“

(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۷ ص ۶۲۱)



واضح رہے کہ یہ باتیں جن سے آدمی کفر کا مرتکب ہوتا ہے (نواقض اسلام) چاہے ہنسی مذاق میں انسان

سے سرزد ہوں یا سنجیدگی سے اور چاہے کسی کے خوف سے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور آدمی کافر ہی رہتا ہے۔
ہاں یہ ضرور ہے کہ کوئی آدمی اکراہ کی حد تک مجبور کیا جائے تو تب وہ (کفر کی فرد جرم سے) مستثنیٰ ہو جاتا
ہے لہذا یہ سب امور (نواقض اسلام) حد درجہ خطرناک ہیں اور یہی امور کثرت سے واقع بھی ہوتے ہیں۔ پس ہر
مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ان سے حد درجہ ہی بچے اور ان میں گرفتار ہو جانے سے ڈرتا رہے۔
ان سب باتوں سے اللہ کی پناہ جن سے انسان اللہ کے غضب کا مستحق اور دردناک عذاب کا شکار ہو جاتا

ہو۔

